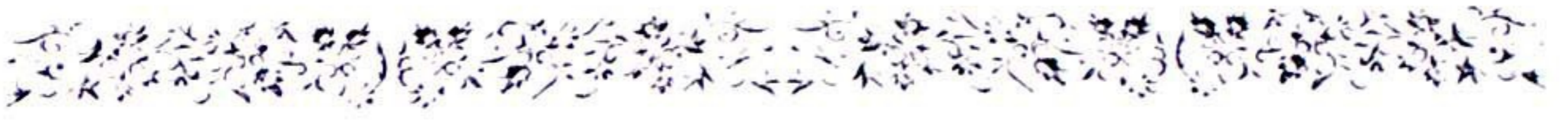


27.47

رنگ تیرے اپنل کے

سلیم احمد صدیقی





رنگ تیرے آنچل کے —————



ملنے کے تے

- 7122943 سعد پبلی کیشنز، فرسٹ فلور، میاں مارکیٹ لاہور
- 7224228 مکتبہ رحمانیہ، اقراسنٹر، اردو بازار لاہور
- کشمیر بک ڈپو، تلہ گنگ روڈ، چکوال
- کوالٹی ڈیپارٹمنٹ، سنور کالج روڈ، بورے والا
- 7223506 اسلامی کتب خانہ، فضل الہی مارکیٹ لاہور
- مسلم بک لینڈ، بینک روڈ، مظفر آباد
- مکتبہ رشیدیہ، نیو جنرل، چکوال
- یونائیٹڈ بک ہاؤس، کچہری روڈ، منڈی بہاؤ الدین
- ویلم بک پورٹ، اردو بازار، کراچی
- 62310 نیو وہاڑی کتاب گھر، جناح روڈ، وہاڑی
- یونیورسٹی بک ایجنسی، خیبر بازار، پشاور
- رحمن بک ہاؤس، اردو بازار، کراچی
- بک سنٹر علامہ اقبال چوک، سیالکوٹ
- الکریم نیوز ایجنسی، گول چوک، اوکاڑہ
- منیر برادرز، مین بازار، جہلم
- شائلہ بک ایجنسی، محلہ چوہدری پارک، ٹوبہ ٹیک سنگھ
- احمد بک کارپوریشن، اقبال روڈ، راولپنڈی
- 662650 بلال کاپی ہاؤس، لیاقت روڈ، میاں چنوں
- بنگش بک ڈپو، اردو بازار، سیالکوٹ
- مکتبہ العلم، ۱- اردو بازار لاہور
- چوہدری بک ڈپو، مین بازار، دینہ
- میاں ندیم، مین بازار، جہلم
- اسلامک بک سنٹر، اردو بازار، کراچی
- دامالادب، تلمبہ روڈ، میاں چنوں
- ضیاء القرآن پبلشرز، گنج بخش روڈ، لاہور
- اشرف بک ایجنسی، کمیٹی چوک، راولپنڈی
- فرید پبلشرز، نزد مقدس مسجد، اردو بازار، کراچی
- شمع بک ایجنسی، فیصل آباد
- کتاب گھر، علامہ اقبال روڈ، راولپنڈی
- ہاشمی برادرز، کتب و رسائل گوردت سنگھ روڈ، کوئٹہ
- نیو الیاس کتب محل، کچہری بازار، جڑانوالہ
- رضالا بہریری شاہ کوٹ
- ادریس کتب محل، مین بازار، منڈی سمبڑیال
- الاخوان القادری مسندی کارنارندرون بوہڑ، گیٹ ملتان
- عمر بک سنٹر، جی ٹی روڈ، سرائے عالمگیر 653057
- نیو نفیس بک ڈپو، مین بازار، میاں توالی
- خان بک ڈپو، حافظ آباد
- اسلامی کتب خانہ، حافظ آباد
- جہانگیر بک ڈپو، اردو بازار، کراچی
- نظامی کتب خانہ، پاکپتن، شریف
- تشکیل بک ڈپو، سمندری
- خالد کتب محل، اوگوگی، سیالکوٹ روڈ
- زمان لا بہریری ربوہ
- لاٹانی لا بہریری ربوہ
- الیاس بک ڈپو، جلال پور، جٹاں
- سلیمی بک ڈپو، احمد پور، شرقیہ
- چغتائی بک ڈپو، دھڈیال، آزاد کشمیر
- الرحمت سیشنری ڈسک
- جالدھر بک ڈپو، ڈسک
- کاروان بک سنٹر، بہاولپور
- بختار سنز، قصہ خوانی بازار، پشاور
- اتفاق بک ڈپو، بھلوال
- الفضل کتب گھر، میر پور، آزاد کشمیر
- شاہین بک ہاؤس، منڈی بہاؤ الدین
- مسٹر بکس سپر مارکیٹ، اسلام آباد 5-2278843
- بک ناؤن F-10 مرکز اسلام آباد 2299604
- ذیشان بکس ستارہ مارکیٹ G-7 اسلام آباد 2204241
- پاکستان بک ڈپو، مین بازار، جٹاں

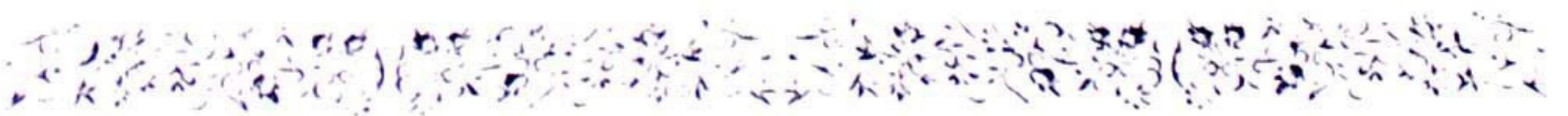


رنگ تیرے آپنل کے

سلیم احمد صدیقی

خزینہ علم و ادب

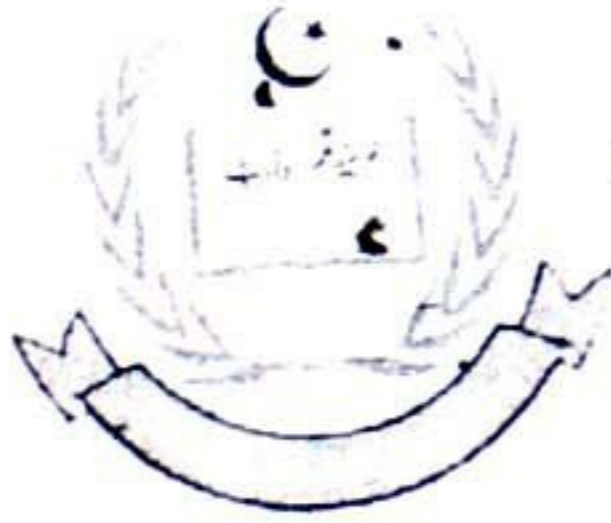
اکرم مارکیٹ اردو بازار - لاہور ۶۹۱۴۱۶۹، ۶۸۱۴۲۶۸



دیدہ زیب اور
خوبصورت کتب کا
واحد مرکز

ترجمین و ابھتمام
نذیر محمد طاہر نذیر

84690



جملہ حقوق محفوظ ہیں

اشاعت : 2005ء

سرورق : عبید اللہ

کمپوزنگ : محمد عمران ساغر

مطبع : حافظ جمیل پریس لاہور۔

قیمت : 150/-

فہرست

منظومات

11	حمد
13	مدینہ کیسی بستی ہے
19	کلمہ شکر
20	کبھی اک خواب دیکھا تھا
25	ایک نظم ”عروج“ کی نذر
30	گل.....
31	دل کا موسم
32	نفرت زادہ
34	المیہ
35	زیست کا اعتبار
36	دل کی راہیں
37	کچھ اُن دیکھے سنے
39	جی کرتا ہے.....

- 43 ”دریا کے سنگ“ پڑھ کر!
- 44 ایک کہانی
- 48 اے مرے دل کی امنگو!
- 50 گفتنی، ناگفتنی
- 51 ”ن“ کے لیے ایک نظم
- 53 برکھارت جو آئی.....
- 54 پیار کی محفل
- 55 ایک درخت کی فریاد
- 59 میں حاضر ہوں
- 63 برف نامہ
- 74 شاہ زیب کے لیے ایک نظم
- 76 اک لڑکا، اک لڑکی
- 81 مرے ننھے شکاری!
- 84 بالکل اکیلا
- 86 چلو، لوٹیں انہیں نیلے جزیروں کی طرف جاناں
- 89 عزیز و محترم پروفیسر سمیع اللہ قریشی صاحب کی نذر
- 93 ایک نظم، عبدالمجید شیخ صاحب کے لیے!
- 97 ایک نظم زاہد منیر صاحب کے لیے
- 101 ایک نظم محمد عثمان خان یوسفی صاحب کے لیے!
- قطعات

127	یاد رفتگان
130	اے مری جاں
142	میں نے کبھی سوچا نہ تھا!
145	تو چل دیا ہے.....
147	تخیل اور حقیقت
149	تیرا چہرہ، میرا چہرہ
150	میری بہنا!
158	مری بہنا! مری بہنا!
159	کیسے دل میں عجب گنج گراں ہوتا ہے
162	’رب‘ کے نام
164	ہمارے چار جانب آج کل غم سانس لیتے ہیں
167	تو رخصت ہو گئی ہے.....
173	مجھے کچھ حوصلہ دے دے.....
175	ہر گھڑی تیری اداؤں کا بیاں پھیلا ہے
	دعا

منظومات

حمد

ترا نام میرے سبھی دکھوں کا علاج ہے
ترا نام نورِ خرد کا اعلیٰ خراج ہے

ترا نام شب کے سفر میں تاروں کی روشنی
ترا نام عمر کی رہگزاروں کی روشنی

ترا نام جہل کے شہر میں در آگہی
ترا نام راز حیات میں سر آگہی

ترا نام ازل سے رچے فضائے بسیط میں
ترا نام ابد میں بچے فضائے محیط میں

ترا نام وجہ ثبات جہد حیات میں
ترا نام وجہ قرار وقت مہمات میں

ترا نام آمد و شد میں سانس کی موج زن
ترا نام وقت کی سیج پر گل انجمن

ترا نام یوم۔ الست رازِ خود آگہی
ترا نام منبعِ ہر شہی و شہنشی!

ترا نام باغِ حیات میں گلِ خوبرو
ترا نام ساری جہات میں گلِ آرزو

ترا نام روزِ قیامِ مونسِ جسم و جاں
ترا نام وجہِ سکونِ سینہ عاشقاں!

ترا نام عالمِ رنگ و بو کی فضاؤں میں
ترا نام محفلِ ہائے و ہُو کی ہواؤں میں

ترا نام دل کا قرار رنگ میں، روپ میں
ترا نام سایہ سبز درد کی دھوپ میں

ترا نام ساری شہادتوں کا مال ہے
ترا نام سارے جہاں میں رنگِ جمال ہے!

مدینہ کیسی بستی ہے

مدینہ کیسی بستی ہے؟
مدینہ ایسی بستی ہے

جہاں پر روز و شب ہر سمت اک نادیہ خوشبو کی پھوہاریں سی برستی ہیں
رچی رہتی ہے اک نازک مہک جس کی ہواؤں میں
لسا رہتا ہے مانو نور سا جس کی فضاؤں میں!

مدینہ ایسی بستی ہے
جہاں پر سبز گنبد ہے
سنہری جالیاں ہیں
روضہ جنت ہے
اور محراب نبوی ہے

مدینہ ایسی بستی ہے
کہ جس کے چہ چہ پر
مرے خیر البشر نے پاؤں رکھے ہیں
جہاں وہ حجرہ اقدس ہے
بے شک جس کی مٹی

عرشِ ربی کے برابر ہے ادب میں اور رتبے میں
جنید و بایزید آتے ہیں جس جاہوش گم کردہ!

مدینہ ایسی بستی ہے
جہاں پر مسجد نبویؐ کے چھ اونچے حسیس نازک مناروں پر
سنہری روشنی اس طور پڑتی ہے
کہ نیلے آسماں پر ماہِ کامل شرم سے یوں منہ چھپاتا ہے
کہ اُس کی چاندنی تو ماند ہے اس نور کے آگے!

مدینہ ایسی بستی ہے
جہاں پر سبز گنبد کا حسیس مہر کا ہوا سایا
ادائے دلبری سے
ناز کی، آہستگی سے

ہر کس و ناکس کے دل پر یوں اترتا ہے
 کہ جیسے ہو مہک نازل گلابوں پر
 کہ جیسے آب نازل ہو سراہوں پر
 کہ جیسے رقص فرما ہو بہار اک بارگی کہنہ خرابوں پر
 کہ جیسے امرِ ربی روح اترے جسدِ خاکی پر
 ہبوطِ نسلِ انسانی کے دن!

مدینہ ایسی بستی ہے
 جہاں پر سبز گنبد کے تلے جا کر
 سنہری جالیوں کے سامنے جا کر
 رسولِ پاکؐ کو جب جب سلام اک شخص کرتا ہے
 رسولِ پاکؐ اس کو مرحمت کرتے ہیں خود اس کا جواب
 اور اس کی خوش بختی کا ہو گیا کیا ٹھکانا
 جس پہ ختم المرسلینؐ بھیجیں سلام؟

مدینہ ایسی بستی ہے
 جہاں پر مسجدِ نبویؐ کے
 چھ اونچے، حسین نازک مناروں سے ازاں جب گونجتی ہے

اور اقامت مسجد نبویؐ میں جس دم ہوتی ہے برپا

تو ہر دل ایک کلمے پر

عجب بے خود سا ہو جاتا ہے

جب وہ شاہد و مشہود کو

اک جا پہ پاتا ہے

بھلا اس سے حسیں تر آدمی کیا زیست میں دے گا گواہی

اس جگہ مشہود، جو محبوبِ ربِّ دو جہاں ہے،

آپ شاہد کی نظر کے سامنے ہوتا ہے

یاد دل کی طرف پہلو میں ہوتا ہے!

مدینہ ایسی بستی ہے

جہاں جگ سے نرالا کام ہوتا ہے

جسے مخلوق اور سارے ملائک اور خالق بل کے کرتے ہیں

نرالا ہے مراملک

کہ وہ کہتا ہے ”ہو جا“ اور ہو جاتا ہے سب کچھ آن واحد میں

کہ اس کی شان اونچی ہے

ارادہ ہے عمل اُس کا

مگر اک کام..... بس اک کام ہے ایسا

جسے وہ پھر بھی کرتا ہے
مرے رب کا وہ اعلیٰ اور ارفع کام
اس بستی کو

ہر ساعت، ہر اک پل
لطف سے معمور رکھتا ہے

مدینے کا ہر اک باسی
وہ شہری یا مسافر ہو

زباں سے اس نرالے ذائقے کو خود بھی چکھتا ہے!

مدینہ ایسی بستی ہے

جہاں مجھ سے گنہ گاروں، سیہ کاروں کی

کالی اور بے ڈھب گٹھڑیوں پر

جس گٹھڑی پڑتی ہیں رحمت اور شفاعت کی پھوہاریں

تو خدا بھی مسکرا کر دیکھتا ہے

بخش دیتا ہے

کہ آخر اُس کو بھی تو لطف آتا ہے بہت

اُس اپنے ختم المرسلین کے ناز اٹھانے میں!

مدینہ ایسی بستی ہے

..... جہاں

جس جا.....

نہیں، رہنے دے اے شاعر

زباں عاجز ہے کچھ کہنے سے

عاقل کو اشارہ کافی ہوتا ہے

سمجھ جائیں گے سارے لوگ بس خود ہی

مدینہ کیسی بستی ہے!

کلمہ رشکر

بخش دی ہے عاجزی کو سروری تُو نے مری
 اک عجب انداز سے جھولی بھری تُو نے مری
 کیا نرالا نُور تھا تیری اداؤں میں رچا
 کی بھیانک راستوں میں رہبری تُو نے مری
 دل بری اور بے نیازی تیرے ہی اوصاف ہیں
 بے نیازی میں مگر کی دلبری تُو نے مری
 ناز میں جتنا کروں تیری عطا پر، پھر بھی کم
 کس غضب کی آج دلجوئی کری تُو نے مری!
 تھی نکلنے کو مجھے اک پیش پا افتادہ راہ
 اُس عجب سی رہ میں کی صورت گری تُو نے مری
 دکھ کی تاریکی سیہ کرنے کو تھی جس کو سلیم
 زرد وہ شاخ مسرت کی ہری تُو نے مری!

کبھی اک خواب دیکھا تھا

کبھی اک خواب دیکھا تھا

کھلی اور جاگتی آنکھوں سے میں نے خواب دیکھا تھا:

دُھلا، نکھرا ہوا آنگن

دُھلے، نکھرے ہوئے آنگن میں

پیلے، کاسنی، نیلے، بسنتی، چمپئی اور ارغوانی مسکراتے پھول

تاحدِ نظر معصوم پریوں کی طرح سے مسکراتے پھول

ہنستے، چہچہاتے، جھلملاتے پھول

اور پھولوں پہ لہراتی، مچلتی، ڈولتی، انگڑائیاں لیتی، لچکتی، سرسراتی،

جھومتی، خوش رنگ، پیاری تتلیاں

اور تیلیوں، پھولوں پہ لہراتا، مچلتا، ڈولتا، انگڑائیاں لیتا، لچکتا
سر سراتا، جھومتا آنچل

ترا آنچل.....

حسین قوس قزح کے سات پیارے شوخ رنگوں میں رنگا آنچل!
اس آنچل، تیلیوں، پھولوں کے سائے میں کھڑا میں
کیف سے مسرور!

تیرے پیارے مسحور!!
خوشیوں کی نرالی سی تھکن سے چُور!!!

یہ بس خواب تھا

اک خواب،

اوائل عمر میں دیکھا تھا جو میں نے

اک ایسا خواب،

جو دیکھا تھا میں نے جاگتی آنکھوں سے!

میں نے زندگی بھرا اپنے اس اک خوبصورت خواب کو
تعبیر دینے کے لیے جدوجہد کی

زندگی بھرا اپنے دونوں ہاتھ محنت میں لگائے

اپنے دونوں پاؤں پر تن کو اٹھایا

جون کی تپتی دوپہروں میں دہکتے، جلتے، بھنتے، تیز سورج کے تلے
پہروں چلا، چلتا رہا ہوں!

اور دسمبر کی طویل اور برف میں لیٹی ہوئی راتوں کی نیندوں کو
میں ہفتوں اور مہینوں تک نہیں، سالوں تک تجتار رہا ہوں!

بارشوں کے موسموں میں گھر سے باہر کیچڑوں میں
اپنے دونوں پاؤں کتنے عرصے تک لت پت کئے ہیں!

لیکن اس سارے زمانے میں مرا وہ خواب
نظروں کے افق پر روز اٹھلاتا رہا

اور روز لہراتا رہا!

پھر ایک دن آیا کچھ ایسا

رب کی رحمت سے

اک آنگن مل گیا مجھ کو

اس آنگن میں اک آنچل مل گیا مجھ کو

ترا آنچل، سچل آنچل

دھنک کے سات رنگوں میں رنگا آنچل!

اس آنگن میں اس آنچل کے حسیں سائے تلے دو پھول پائے

اک حسیں اور ناز نہیں تتلی ملی

میں مسکرانے لگ پڑا

84690

مجھ کو لگایوں

میری خاطر اس زمیں پر بن گیا جنت مرا گھر جس طرح!

لیکن اچانک ایک دن

وہ خواب جو دیکھا تھا میں نے جاگتی آنکھوں سے

وہ بس خواب بن کر رہ گیا

آندھی چلی اور روح پر اتر اندھیرا

اور مری ذات اس بھیا نک تیرگی کے پھیلے سائے کے تلے

بس رہ گئی ہے اجنبی بن کر خود اپنے ہی بھرے آنگن کے اندر!

جون کی تپتی دو پہروں میں میں خود کو ڈھونڈتا ہوں

اور دسمبر کی طویل اور برف میں لتھڑی ہوئی راتوں میں

خود کو کھوجتا ہوں

اور کیچڑ سے بھرے برسات کے موسم میں رہ رہ سوچتا ہوں میں:

مرا آنچل

مرے پھول

اور مری تتلی

سبھی ہیں میرے آنگن میں

مگر میں خود کہاں ہوں؟

روح پر اترے اندھیرے میں میں خود کو ڈھونڈتا ہوں
کھوجتا ہوں

سوچتا ہوں:

میں کہاں ہوں؟

میں کہاں ہوں؟

میں کہیں ہوں بھی کہ.....؟

ایک نظم ”عروج“ کی نذر



مری بھولی سی تھی دوست!
تو جب مدھ بھری تھی سی آنکھوں سے
مجھے تکتی ہے

تو دل میں مرے اُلفت کا پڑ مردہ سا بوٹا
سراٹھانے، لہلہانے، مسکرانے لگتا ہے پھر سے!
ہمک کر جب تو آتی ہے مری آغوش میں
تو مجھ کو مل جاتا ہے پھر سے اعتبار زیست!



مری بھولی سی تھی دوست!

تو جذبات سے معمور ہے
 (میں جانتا ہوں)
 پر ابھی تو ماورا ہے
 حرف اور آواز کے پیچیدہ اُس رشتے سے
 جس کے جھوٹے سچے بندھنوں میں
 ہم بندھے رہتے ہیں پوری زندگی.....
 اور تو فقط جذبات پر جیتی ہے
 اور خوش ہے!
 مرار ب تجھ کو خوش رکھے!



میں اک ایسا شجر ہوں
 جس نے اپنا شوخ اور رنگین بہاروں کا زمانہ جی لیا ہے۔
 جس کے جانے کتنے پتے جھڑ چکے ہیں
 کتنے پتے جھڑ رہے ہیں
 چند پتے بیچ رہے ہیں
 جو رگوں کو منجمد کر دینے والی ٹھنڈ سے
 کب تک مجھے محفوظ رکھیں گے؟
 مجھے انجام اپنا اب بہت نزدیک لگتا ہے!



ترے معصوم چہرے پر
 یہ حیرت سے، محبت سے بھری آنکھیں چمکتی ہیں
 تو مجھ جیسے اندھیروں میں اتر کر جانے والے اک مسافر کو
 حیاتِ جاوداں کا سرمدی پیغام دیتی ہیں
 مرے جذبات کے رستے
 مری آنکھوں، مرے دل میں اتر کر
 زیست کے مفہوم کا ادراک کرتی ہیں عطا!



ترے بھولے سے چہرے پر یہ نازک پتلے پتلے ہونٹ
 جب معصومیت سے مسکراتے ہیں
 تو گویا وقت کی تار یک راہوں میں
 ستارے بھرتے جاتے ہیں
 چراغاں کرتے جاتے ہیں!



تری یہ نرم و نازک انگلیاں
 انجان شوخی سے
 کبھی چھوتی ہیں میرے لب

تو جیسے وقت کی ظالم تھکن اک پل میں مٹ جاتی ہے
بجھ جاتا ہے انگاروں بھر سورج
صبا ٹھکھیلیاں سی کرنے لگتی ہے!



تری شیریں زبان
جب معنی و مفہوم سے عاری،
مگن بیٹھے سُروں میں کرتی ہے غوں غاں
تو لگتا ہے مجھے ایسے
مرے کانوں میں پھر جیسے
اُسی شفقت بھری شیریں صدا کی بازگشت آئی
کہ جو یومِ اُست آئی!



میں کس کس طور سے مشکور ہوں تیرا!
تری معصوم اور الفت بھری صورت نے
اس بھولی سی صورت نے
تری نازک اداؤں نے
تری ان معنی و مفہوم سے عاری صداؤں نے
مری جھولی میں ڈالے پیار کے پھر سے وہی معنی

جنہیں میں زیست کے پُر شور، پُر آشوب ہنگاموں میں
کب کا کرچکا تھا گم!



مری بھولی سی ننھی دوست!
میں ممنون ہوں تیرا
مرار ب تجھ کو خوش رکھے!

گل.....

گل میرے کندن سانسوں کا سونا بن گیا پیتل
گل میری آشنا کی صراحتی درد سے ہو گئی بوجھل
گل تپتی ہوئی لوؤں نے کھولا دیا مرا سکھ ساگر
گل خود سے نے خالی کر دی آس اُمید کی گاگر
گل خوشیوں کے رنگ محل میں گھس آئے کچھ بھٹنے
گل من شیشہ چور کر دیا اُن کے کالے یُدھ نے
گل اس دل نے جانا، ہوتے ہیں سب سپنے جھوٹے
گل آندھی کے جھکڑ ایسے چلے کہ سپنے ٹوٹے
گل جیون کے پیڑ کے نیچے رات بڑی سنسان
گل مرے دل پر دُکھ یوں اُترا جیسے روح پہ گیان!

دل کا موسم

سائیں سائیں تیز ہوائیں
جنگل میں سر پٹخ رہی تھیں
پیڑوں پر سے پیلے پتے
ٹوٹ ٹوٹ کر بکھر رہے تھے

پت جھڑ پورے جو بن پر تھا!

لیکن پیار کی ایک نظر سے
تیرے پیار کے ایک بول سے
بدل گیا تھا دل کا موسم
دھنک کے رنگ چمک اٹھے تھے

پت جھڑت میں بہا آئی تھی!

نفرت زاوہ

میں نفرت کے سمندر میں ہوا پیدا
اسی کے شور اور نمکین پانی پر ہوئی پھر پرورش میری
اسی کے ساحلوں کے چمچماتے زیت پر
میرا لڑکپن شک کے گھونگے بے یقینی کی رو پہلی سپیاں
چُن چُن کے گزرا

روح نے نشوونما پائی
مرے جذبوں نے سیکھا مسکراتا بھی
اسی پانی، اسی ساحل کی نفرت، بے یقینی، شک، حقارت
خوف سے بھر پورا اور بو جھل ہوا میں سانس لے لے کر
مرانا زک سا پتلا تن بدن پل کر
جواں، کڑیل جواں کے روپ میں ابھرا!

عجب مخلوق ہوں میں بھی!
عجب مخلوق ہوں میں بھی!
مجھے کوئی پیار سے دیکھے

تو مر جاؤں

کہ میری زندگی نفرت سے، شک سے،

بے یقینی سے، حقارت سے، عبارت ہے

کہ الفت کی ہو میرے لیے زہرِ ہلاہل ہے!

کہ میرے واسطے چاہت کا پانی زہرِ قاتل ہے!

المیہ

نظریں ہیں پتھرائی پتھرائی اور جی گھبرایا سا
دل پر اک انجانا بوجھ ہے، روح پہ ہے اک سایا سا

ڈولتی سانسیں، ڈوبتی نبضیں، اکھڑا دل اور خالی ہاتھ
جیون بھر جسے منزل سمجھا وہ بھی چھوڑ گئی ہے ساتھ

زیست کے رنگ برنگ سٹیج پہ کھڑا ہوا ہوں میں گمنام
ہونا تھا شاید مری چاہت کا اک روز یہی انجام!

زیست کا اعتبار

جیسے منتر ہو، جیسے کوئی اسم
جیسے جادو ہو، جیسے کوئی طلسم
دیکھ کر اُس کا خوب صورت جسم

خوشبوؤں کا شمار بڑھتا ہے
میرا دل بار بار بڑھتا ہے
زیست کا اعتبار بڑھتا ہے

دل کی راہیں

جن کے سینوں میں محبت کے مہکتے قوس ہیں
وہ بھی شاید اپنے وقتوں کے ولی ہیں، غوث ہیں
دل کی راہیں کس قدر معصوم ہیں، بے لوث ہیں!

کچھ ان دیکھے سنے

ساون کا موسم بھی عجب ہے، کیا کیا چھب دکھلاتا ہے
دل کے پھیلے رنگ محل میں کیا کیا جوت جگاتا ہے
چھم چھم گرتا پانی کیا کیا باتیں یاد دلاتا ہے

تیز ہوائیں سکڑے سمٹے جذبوں کو پھیلاتی ہیں
دل پر گری ہوئی برفوں کو پل بھر میں پگھلاتی ہیں
انمل اور بے جوڑ سی باتیں دل کا در کھڑکاتی ہیں

ساون دیکھتے دیکھتے کچے دل پکے اور پھوٹ گئے
لوگ ہمارے جیون میں آئے، پھر اک دن روٹھ گئے
کیسے کیسے پیارے پیارے نازک رشتے ٹوٹ گئے

وقت کی مدہم آنچ پہ جیون پختہ ہوتا جاتا ہے
 پر ساون کا موسم جگ میں رنگ سموتا جاتا ہے
 آشاؤں کی پگڈنڈی پر دل پھر کھوتا جاتا ہے

گرج چمک کر بجلی جیسے جیون جوت جلاتی ہے
 سوئی ہوئی تمناؤں کو پھر سے آن جگاتی ہے
 دل کی کھیتی ایک نئے ہی رنگ میں پھر لہراتی ہے

سیہ برستے بادل کانوں میں سرگوشی کرتے ہیں
 کیسے کیسے بھولے جذبے دل دامن میں اترتے ہیں
 آرزوؤں کے پھیلے جادو کس کس طور سنورتے ہیں

دیکھے سنے تو کچھ سندر ہیں، کچھ سندر نہیں بھی ہیں
 پر ان دیکھے سنے جادو ہیں، وہ چاہے کہیں بھی ہیں
 کچھ ان دیکھنے سنے دل میں ہیں اور دل میں نہیں بھی ہیں!

جی کرتا ہے.....

جی کرتا ہے ایسی پیاری اور معطر نظم لکھوں
 جس کو پڑھ کر سارے دل خوشبو سے بھر جائیں، مہکیں
 جس کو پڑھ کر سارے لب الفت سے مسکائیں، چمکیں
 جس کو پڑھ کر سب آنکھوں میں رنگ بھرے سنے بہکیں
 جس کو پڑھ کر سب سینوں میں ہرے بھرے گلشن مہکیں!

جی کرتا ہے ایسی پیاری اور چمکتی نظم لکھوں
 جس کو پڑھ کر ساری آنکھیں خوشیوں سے مسکانے لگیں
 جس کو پڑھ کر سارے ہی الفت کے ترانے گانے لگیں
 جس کو پڑھ کر سارے درد بھرے قصے افسانے لگیں
 جس کو پڑھ کر نور کی بارش میں سب لوگ نہانے لگیں

جی کرتا ہے ایسی پیاری اور مزین نظم لکھوں
 جس کو پڑھ کر آسمان کا ہر ہر کونا سجنے لگے
 جس کو پڑھ کر باغوں میں پتوں کی پائل سجنے لگے
 جس کو پڑھ کر میرا ہر ساتھی دکھ درد کو تخبے لگے
 جس کو پڑھ کر ساری دھرتی سولہ سنگھار سے لجنے لگے

جی کرتا ہے ایسی پیاری اور معصوم سی نظم لکھوں
 جس کو پڑھ کر ساری دنیا پیار کے گیت سنانے لگے
 جس کو پڑھ کر ساری دنیا ہنسنے اور ہنسانے لگے
 جس کو پڑھ کر ساری دنیا امن ترانے گانے لگے
 جس کو پڑھ کر ساری دنیا کیف اور وجد میں آنے لگے

لیکن میں کس طور سے پیاری اور معطر نظم لکھوں
 جب دھرتی پر ہر ہر جانب بھوک ہو اور بے کاری ہو
 جب دھرتی پر ظلم و ستم کا ہر سو پلہ بھاری ہو
 جب دھرتی پر پیار کی قیمت ذلت ہو اور خواری ہو
 جب دھرتی پر ایڈز سی، کینسر سی مہلک بیماری ہو!

بولو میں کس طور سے پیاری اور چمکتی نظم لکھوں
 جب دھرتی پر ہر سو ہا ہا کار مچی ہو جنگوں کی
 جب دھرتی پر کوئی بھی تو قیمت نہ ہو امنگوں کی
 جب دھرتی پر ہر جانب ہو خبر فسادوں، دنگوں کی
 جب دھرتی پر رقص کی محفل جمی ہو ننگ ملنگوں کی

بولو میں کس طور سے پیاری اور مزین نظم لکھوں
 جب دھرتی پر ہم سوتیلے بیٹے ٹھہرے دھرتی کے
 جب دھرتی پر مرتے جائیں خواب سنہرے دھرتی کے
 جب دھرتی پر چیخ و پکار سے کان ہوں بہرے دھرتی کے
 جب دھرتی پر جنگ و جدل ہو، زخم ہوں گہرے دھرتی کے

بولو میں کس طور سے پیاری اور معصوم سی نظم لکھوں
 آج مرے ہاتھوں کے یہ کشلول پیالے خالی ہیں
 میری دونوں آنکھوں کے یہ گول پیالے خالی ہیں
 میری سوچ کے بے ہنگم، بے ڈول پیالے خالی ہیں
 میرے سلگتے جذبوں کے انمول پیالے خالی ہیں



چپ ہیں دل کی ساری صدائیں، کالی رات بلاسی ہے
تہا کھڑا ہوں میں دھرتی پر، میرے ساتھ اُداسی ہے
سمجھ نہ آئے کسی کو جبکہ میری بات ذراسی ہے
چاروں اور سمندر ہے، پر میری روح تو پیاسی ہے



ایسے میں میں کیسے پیاری اور معطر نظم لکھوں؟
ایسے میں میں کیسے پیاری اور چمکتی نظم لکھوں؟
ایسے میں میں کیسے پیاری اور مزین نظم لکھوں؟
ایسے میں میں کیسے پیاری اور معصوم سی نظم لکھوں؟

”دریا کے سنگ“ پڑھ کر!

زیست عبارت ہے جذبوں سے
جذبے نہ ہوں تو لفظ ضرورت بن جاتے ہیں
اور لفظوں کی بھول بھلیاں تن کو دھوکا دے سکتی ہیں
من تو تشنہ رہ جاتا ہے!
لیکن جذبوں اور لفظوں کے اس چکر میں
اک دن سب کچھ کھو جاتا ہے
جب جذبے اور لفظ کہیں کھو جاتے ہیں
تو پیچھے ایک بھیا نک اور بے معنی سا سناٹا گونجتا رہ جاتا ہے!

ایک کہانی

برسوں پہلے ایک پرندہ
اُڑ کر اک جنگل میں آیا

سردی میں وہ سکڑا، سمٹا
اپنے ہی سائے سے چمٹا

دھوپ میں اُس نے بدن جلایا
بارش میں ہر سو لہرایا

موسم کی سختی بھی جھیلی
کیا کیا بدبختی بھی جھیلی

گرج چمک سینے میں گونجی
ہاتھ میں اُس کے مال نہ پونجی

عمر گزاری تنکے چنتے
گھر کا تانا بانا بنتے

ہاں، اُس پنچھی کو تب جا کر
مٹھی بھر چھت ملی کہیں پر

اُس نے رب کا شکر بجایا
گھر کو ارمانوں سے سجایا

گھر میں اک دروازہ لگایا
اپنی دلہن کو غازہ لگایا

اس گھر میں رہنے لگے سکھ سے
وہ، بیوی اور ان کے بچے

گرچہ اس میں کام تھا کتنا
پر پھر بھی آرام تھا کتنا!

گھر کے باہر بجلی کڑکے
باہر شور مچائیں لڑکے

گھر کے باہر بارش آئے
جنگ نپا ہو، سازش آئے

گھر کے باہر آندھی آئے
دروازے پر باندھی جائے

گھر کے اندر چین کی بنسی
ہر دن، ہر شب بجاتی رہتی

اک دن اک بچے نے سوچا
دروازے کے باہر ہے کیا؟

اس نے سمجھ کر خود کو بانکا
دروازے کی درز سے جھانکا

نامعلوم میں دلچسپی لی
دروازے کی مٹی گیلی

اُس نے ہٹائی اور در کھولا
در کھلتے ہی آیا بگولا

باہر آنڈھی جھول رہی تھی
شاید رستہ بھول رہی تھی

گھر کے اندر آئی آنڈھی
اور سکھ چین کی گٹھڑی بانڈھی

پل میں فسوں سا گھر میں پھونکا
ہر سو رنگ سا پھیلا خوں کا

برسوں پہلے ایک پرندہ
اڑ کر جو جنگل آیا تھا

اُس کے سینے ٹوٹ گئے تھے
سارے اپنے چھوٹ گئے تھے

وہ دھرتی پر پڑا ہوا تھا
سک رہا تھا، تڑپ رہا تھا

اُس کو عجب خط دے گئی آنڈھی
مٹھی بھر چھت لے گئی آنڈھی!

اے مرے دل کی امنگو!

اے مرنے دل کی امنگو، آرزوؤ!
ذہن کے بے نام، بنجر، بے سکوں کونوں میں جھانکو
بے اماں رستوں میں دیکھو
چار سواک خامشی ہے!
ایک بے معنی ساسناٹا محیطِ جسم و جاں ہے
بیکراں سا بیکراں ہے!
ازز میں تا آسماں ہے!
روح کی بنجر اُداسی طنز سے ہنستی ہے مجھ پر
میں کہ جس نے زندگانی کے نگینے کھو دیئے ہیں
میں کہ جس نے آرزو کے سب قرینے کھو دیئے ہیں
میں کہ جس نے خوشبوؤں کے سب خزینے کھو دیئے ہیں
میں کہ جس نے الفتوں کے سب دفینے کھو دیئے ہیں

روح کی بنجراد اسی طنز سے ہنستی ہے مجھ پر
میں کھڑا ہوں ہاتھ دونوں اس طرح اوپر اٹھائے
جس طرح ڈاکو کسی کو ”ہینڈ زاپ“ کہہ دے
سبھی کچھ لوٹ لے اُس کا!

مرے دل کی اُمنگو، آرزوؤ!
میں بھی شاید لٹ چکا ہوں
زندگی کی اس بساطِ کہنہ پر میں ہار بیٹھا ہوں
مرے سارے ہی مہرے پٹ چکے ہیں
(اور بقول شاعراں) کچھ یوں ہے میری کیفیت:
چاہتوں کے نرم آنچل کی ہوا جس دم چلی
دل نے دیکھے خوشبوؤں کے خواب، ایسا سو گیا
آس کی نازک سی ڈوری سے بندھا تھا میرا جسم
تو نے یوں جھٹکا دیا، میں ریزہ ریزہ ہو گیا!

گفتنی، ناگفتنی

ہزاروں سخن گفتنی ہیں

جو ناگفتہ بھی ہیں

جو ناگفتہ بہ بھی ہیں

..... ناگفتنی ہیں!

کہ آخر تو خوفِ فسادِ زمانہ بڑی چیز ہے

جس نے کتنوں کے ہونٹوں کو

مجھ سے بھی پہلے، بہت پہلے

یوں بند رکھا

کہ جیسے کوئی ہونٹ بستہ کلی!

بند بوتل!

مرے دوستو! اے مرے غم گسارو!

تمہیں کیا بتاؤں

کہ جو جو سخن گفتنی ہیں

وہ ناگفتنی ہیں!

”ن“ کے لیے ایک نظم

تُو مہر و وفا کے پھولوں کی خوشبو سے بھری اک کیاری ہے
 مرے گھر میں جنم نہ لے کر بھی مجھے بٹی جیسی پیاری ہے
 تری پیشانی پر فکر و تردد کی لہریں مدھم مدھم
 تری سہمی سہمی سی آنکھیں، ہے مجھ پہ ستم بالائے ستم
 جن ہاتھوں نے ترے سکھ کی سدا مانگی ہے دعا اپنے رب سے
 اب وقت کٹھن ہے اُن کے لیے، ترے آنسو پونچھیں کس ڈھب سے
 اپنا تو ہے تجھ سے وہ رشتہ، تجھے رنج میں دیکھیں، صبر کریں
 جنہیں رب نے دیا تجھ سا ہیرا، اے کاش! وہ تیری قدر کریں
 اے نورِ نظر، رب چاہے تو ترے صبر کا پھل بیٹھا ہوگا
 ترے آنکھن میں، ترے آنچل میں خوشیوں سے بھرا سپنا ہوگا

کسی شاعر نے مانگی جو دعا، تجھے اُس سے بڑھ کر پیار ملے
 ”اس دوار سے بھی دکھ دور رہے جس دوار سے تیرا دوار ملے!“

تری آنکھوں میں آنسو آئیں، اتنی تو کبھی مجبور نہ ہو
 ترے ہونٹ سدا ہنستے ہی رہیں، ترے دل کا شیشہ چور نہ ہو

تری بھولی بھالی صورت پر کبھی رنج و الم کی چھاپ نہ ہو
 ترے گھر آنگن میں الجھن کی آہٹ نہ ہو، غم کی چھاپ نہ ہو

مری رب سے دُعا ہے، تیرا سدا خوشیوں سے دامن بھرا رہے
 ہر سمت وفا کے پہول کھلیں، خوشبو سے تن من بھرا رہے!

برکھا رت جو آئی.....

درد کچھ دل میں سوا تھا، ٹیس تھی جاں میں جواں
 باوجود ضبطِ غم آنسو تھے آنکھوں میں رواں
 آرزوؤں کے خرابے اور تمناؤں کا خون
 کوئی بھی پُرساں نہیں، کس سے کہوں؟ کیسے کہوں؟
 آفتوں میں جان آئی آفتِ جاں کے سبب
 سو جھتے آخر بھلا کب تک جہاں کے مجھ کو ڈھب!

زخمِ دل کا رستے رستے جب پرانا ہو گیا
 اب کے برکھا رت جو آئی، میں دوانہ ہو گیا!

پیار کی محفل

دوستوں کا ساتھ ہے اور ساتھیوں کی دید ہے
جا چکی ہے عید، پھر بھی لگ رہا ہے عید ہے

آج ہر چہرہ نظر آتا ہے جیسے ہو جوان
کھل رہے ہیں پھول ہر سو کامرانی کے یہاں

آج ہر دل مست ہے، مدہوش ہے، سرشار ہے
ہر نگہ روشن ہے، مستی میں ہر اک ہشیار ہے

یہ خوشی، یہ شادمانی، یہ مسرت زندہ باد
اپنے مالک، اپنے رب کی یہ عنایت زندہ باد

انتہائے عاجزی سے میں یہ کرتا ہوں دعا
میرا رب سب دوستوں کو یوں ہی خوش رکھے سدا

دوستوں میں پیار کا رشتہ یونہی دائم رہے
اے خدا! یہ پیار کی محفل یونہی قائم رہے!

ایک درخت کی فریاد

(کالج کے کھیل کے میدان کے گرد درختوں کے کٹنے پر!)

میرے پیارے انسانو!
میں بے چارا ایک درخت
تم سے ہوں فریاد گناں
ہائے، میرے کیسے بخت!

میں نے تمہاری خدمت کی
تم نے مجھ پر وار کیا
میں نے تمہیں آرام دیا
تم نے مجھ کو مار دیا

میں تو تمہارے سنگن میں
رب کریم کی رحمت تھا
پیار کی ایک نشانی تھا
زیست کی ایک علامت تھا

میں کتنے دکھ سہتا تھا
 پھر بھی تم سے ناتا تھا
 منی میں جلتا رہتا تھا
 دھوپ سے تمہیں بچاتا تھا

جب ساون رت آتی تھی
 نیا لباس پہنتا تھا
 میں تم سب کی آنکھوں کو
 کتنی ٹھنڈک دیتا تھا

جب جب سردی آتی تھی
 میں خالی ہو جاتا تھا
 خود تو ٹھہرتا رہتا تھا
 دھوپ تمہیں پہنچاتا تھا

میری پھیلی بانہوں میں
 کتنی چڑیاں رہتی تھیں
 ہر موسم میں میرے ساتھ
 مل کر دکھ سکھ سہتی تھیں

نور کا ترکا ہوتا تھا
چڑیاں چوں چوں کرتی تھیں
تم بستر پر سوتے تھے
وہ تسبیحیں پڑھتی تھیں!

ریت رہی ہے جگ کی یہ
پیڑ بزرگ لگاتے ہیں
خود رخصت ہو جاتے ہیں
بچے میوے کھاتے ہیں

پر تم کیسے بچے تھے
تم نے مجھ کو کاٹ دیا
تم نے میرے تن من کو
زرد لہو سے پاٹ دیا

میری بائیں خاکی تھیں
میرا سبز لبادہ تھا
اب لوہے کا جنگلا ہے
کل میں جہاں استادہ تھا

اپنی اپنی کرنی ہے
جاگتا ہے کوئی سوتا ہے
کوئی قاتل بنتا ہے
کوئی مسیحا ہوتا ہے

پاک نبیؐ نے کیا تھا کہا
تم کو شاید نہیں خبر!
دیکھ لیا، بس دیکھ لیا
میں نے تمہارا ذوق نظر!

شاید میرے مالک نے
تمہیں نہ بخشا دردِ دروں
سب تعریفیں جس کے لیے
اس کی رضا پر راضی ہوں!

میں حاضر ہوں

میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں
اے میرے رب، میں حاضر ہوں
میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں
ترا کوئی شریکِ کار نہیں
میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں
ہیں سب تعریفیں تیرے لیے
سب منظر تو نے پیدا کیے
اور ملک بھی تیرا ہے سارا
نہیں کوئی شریکِ کار ترا

میں دُور سے چل کر آیا ہوں
 اور خالی جھولی لایا ہوں
 تُو مالک ہے، تُو خالق ہے
 تُو داتا ہے، تُو رازق ہے
 میں گھاٹے کا بیوپاری ہوں
 پر تیرے در کا بھکاری ہوں
 مرے مولا! مجھ کو بھیکو ملے
 ترے در سے سب کچھ ٹھیک ملے
 مجھے علم ملے، مجھے عقل ملے
 مجھے رحم ملے، مجھے فضل ملے
 مجھے سیدھی سچی راہ ملے
 شیطان سے تیری پناہ ملے
 مجھے نیکی کی پہچان ملے
 اور اپنا بھی عرفان ملے
 اور پاک نبیؐ سے پیار ملے
 دل الفت سے سرشار ملے
 ہو ان کی شفاعت مجھ کو عطا
 ہو تیری رحمت مجھ کو عطا

اور حشر میں بیڑا پار ملے
اور تیرا مجھے دیدار ملے

ہاں، میری جھولی خالی ہے
اور جھولی چھیدوں والی ہے
اور میری رنگت کالی ہے
تری ہر شے دیکھی بھالی ہے
تو مالک ہے، تو والی ہے
اور تیری شان نرالی ہے
یہ دل بخشش کا سواالی ہے!
کوئی مجھ سا عصیاں کار نہیں
کوئی تجھ سا بخشنہار نہیں
رکھ لاج مری ان آہوں کی
مجھے بخشش دے دے گناہوں کی
یہ دامن اجلا کر دے تو!
میرا من اجلا کر دے تو!

میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں
اے میرے رب، میں حاضر ہوں
میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں

ترا کوئی شریکِ کار نہیں
میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں
ہیں سب تعریفیں تیرے لیے
سب منظر تو نے پیدا کیے
اور ملک بھی تیرا ہے سارا
نہیں کوئی شریکِ کار ترا
میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں
اے میرے رب، میں حاضر ہوں

برف نامہ

(مری، ۲۶ دسمبر تا ۲۸ دسمبر ۱۹۹۴ء)

برف باری کا حسیں منظر تو بس اک چیز ہے
 کس طریقے پر بیاں کر پائے شاعر ایسی شے
 ہر تنے، ہر شاخ، ہر تنکے پہ، ہر پتے پہ برف
 ہر عمارت، ہر سڑک، ہر موڑ، ہر خطے پہ برف!
 اک طرف اونچی پہاڑی پر قطار اندر قطار
 یوں کھڑے تھے دم بخود چیل اور صنوبر، دیودار
 سب کے سر پر برف کی دستار اک اونچی بندھی
 ڈالیوں، پتوں پہ چادر برف کی پھیلی ہوئی!

سج گئے بجلی کے تاروں تک پہ یوں برفوں کے تار
جیسے برق اور برف اک مدت کے ہوں دو کچھڑے یار

ندیاں نالے بھنی، اور سب آبشاریں ہتھم گئیں
تھیں وہ جس بھی روپ میں، اس روپ ہی میں جم گئیں

برف نے پل میں مٹا ڈالے سبھی کچھ امتیاز
پستیوں کو بھی میسر ہو گیا آخر فہراز

برفباری کے حسیں دن کا ہوا یوں اختتام
برف کی چادر میں چھپ کر سو گئی وادی تمام!



قطار اندر قطار اشجار تا حدّ نگاہ
ہراک نے زیبِ سر کی برف کی اونچی کلاہ
بہت چاہا کہ لفظوں میں اسے کر دیں بیاں
نہ کر پائے مقید، حسن تھا وہ بے پناہ!



عجب دیکھی درختوں پر بہار اندر بہار
کھڑے سر کو اٹھائے وہ قطار اندر قطار
ہوئے وہ برف پوش اک رات کے اندر تمام
سفید اک آگ میں سلگے شرار اندر شرار



پہاڑوں پر گرمی برفیں، کمال آیا نظر
ہراک جانبِ عجب جادو کا جال آیا نظر
کبھی دیکھا تو منظر میں جمال و حسن تھا
کبھی دیکھا تو منظر میں جلال آیا نظر



عجب جادو بسا دل پر برفباری کر گئی
 پڑی برف اس قدر دن بھر، کہ وادی بھر گئی
 بڑھا منظر کا حسن اک حد سے جب زیادہ سلیم
 عجب ہیبت سی چھائی، روح میری ڈر گئی



نشیبوں میں اٹھائے سر کھڑے تھے ارجمند
 فرازِ کوہ پر کتنے کھڑے تھے سر بلند
 صنوبر، چیل اور شمشاد کے اونچے درخت
 کروں کس طور ان کا حسن میں لفظوں میں بند!



زمیں پر برف کی کچھ چادریں سی تن گئیں
 چھتوں پر برف کی تازہ چھتیں سی بن گئیں
 ہوا اب کے کرم کچھ برفباری میں عجب
 سبھی روٹی ہوئی سی آرزوئیں من گئیں!



چڑھے بجلی کے کھمبوں پر بھی کھمبے برف کے
 سجیں بجلی کے تاروں پر بھی تاریں برف کی
 پڑی جن منظروں پر برفباری میں نظر
 بھلا وہ قید میں کب آسکیں گے حرف کی!



سجی برفوں کے پھولوں سے ہری وہ ڈالیاں
 ہوا چلتی تو بھتی تھیں سہج سے تالیاں
 نظر آیا جمالِ حسنِ رب بکھرا ہوا
 بہت نظریں ہماری تھیں نصیبے والیاں



کھڑے تھے کچھ شجر اک جا پہ بالکل ٹنڈ منڈ
 خزاں دیدہ مجسم اور محو انتظار
 ہوئی جب برفباری رات بھر، تو صبح دم
 نرالے کھل گئے برفوں کے ان پر برگ و بار



ہے یاں پر ہر کسی کا اپنا اپنا شرف خوب
 نظر آئے روئے سے ہر اک کا ظرف خوب
 کھڑا تھا لیمپ کا کھمبا اٹھائے اپنا سر
 لئے تن میں حرارت، اور سر پر برف خوب!

۴

(۱)

کوہستان میں برف پڑے، نظر آئے رب کا جمال
 رب کا جلال بھی جھلک دکھائے، اور کرے بے حال!

(۲)

برف کی ٹھنڈک دیکھ دیکھ کر من میں سلگے آگ
 کسی کے سوئے بھاگ یہاں، اور کسی کے جاگے بھاگ!

(۳)

رات کی رات میں وادی میں وہ برف کا ہوا نزول
 ہر ہر پیڑ کی ہر ہر شاخ پہ برف کے سج گئے پھول

(۴)

برف کی چٹنی چادر اوڑھ کے دھرتی تو گئی سو
 ہوئے کوی ترے پیسے پورے، تو بھی چمپت ہو!

(۵)

برف کا باوا پارک میں بیٹھا، چپ چپ اور اداس
جن کے ساجن کچھڑے ہوں، بس وہی کریں احساس

(۶)

برف پڑی تو ہو گئے سارے شجر حجر خاموش
ایسا چپ کا منظر دیکھا، اڑ گئے اپنے ہوش

(۷)

سبز درختوں کی پریوں نے برف کے پنکھ سجائے
سورج نے پھر کرنیں پھینک کے ان کے مکھ چمکائے

(۸)

برف کے گالے دھرتی پر یوں دھیرے دھیرے آئیں
جیسے رب کی رحمت کے دروازے کھلتے جائیں!

(۹)

سڑک پہ برف کی سڑک بنی اور پیڑ پہ برف کا پیڑ
ایسے سہانے منظر من کے تاروں کو گئے چھیڑ

(۱۰)

کیا کیا ہم کوی لوگ نہ اُس پل مستی سی میں جھومے
مری میں اڑتے بادل نے جب ہم سب کے پگ چومے

(۱۱)

خوش قسمت ہیں سلیم جو پہنچے پھر اک بار مری
اور دیکھی پھر ایک بار وہ وادی برف بھری!

(۱۲)

مان سے لے کر سنی بینک تک اس موسم میں سیر
دعا نے اپنی، مالک رکھے مری نگر کی خیر!

(۱۳)

دیکھے کیسے پیارے مری میں برفباری کے طور
چل مرنے پیارے کوئی رانج، اب واپس چل لاہور!



جب وادی وادی برف پڑی
اور شجر حجر پر برف سچی

دل پر مانو اک سحر ہوا
ہر شاخ نے اوڑھی برف روا

اک اک پتا روپوش ہوا
سب منظر دشمن ہوش ہوا

خاموش کھڑے تھے پیڑ سبھی
ہر سر پر برف کی چادر تھی

سب ندی نالے جم تے گئے
جو بہتے تھے، وہ کھم سے گئے

ہر سو تصویر سا منظر تھا
جو نقش ہمارے دل پر تھا



ہم نے چاہا اک نظم لکھیں
 اس حسن کا ہم اظہار کریں
 جو نظروں سے دل میں اترا
 اور روح کا قالب چیر گیا
 کچھ ذکر ہو اُس ہیبت کا بھی
 جو منظر سے دل پر اتری
 حرفوں کے پتنگ اڑائے بہت
 احساس کے رنگ ملائے بہت
 جذبے محو پرواز ہوئے
 بے ربط سے کچھ الفاظ ہوئے
 لفظوں میں حسن نہ قید ہوا
 ہو پایا ذکر نہ ہیبت کا

ہاں ذکرِ جمال رہا تشنہ
اور ذکرِ جلال رہا تشنہ!

کچھ بھی تو گرفت میں آنہ سکا
شاعر اعجاز دکھا نہ سکا

جذبوں کی زبانیں دنگ ہوئیں
لفظوں کی اڑانیں تنگ ہوئیں

تب جا کے ہمیں احساس ہوا
وہ حرف نہ اپنے پاس ہوا

جو کھینچ سکے اس منظر کو
اوپر نیچے اور اندر کو

جو کچھ بھی وہاں پر منظر تھا
وہ اپنے بیان سے باہر تھا

ہم کہہ نہ سکے جو کہنا تھا
ہاں، بہتر چپ ہی رہنا تھا

شاہ زیب کے لیے ایک نظم

دھوپ سے لہرایا کچھ یوں سپنوں کا آنچل
آن گرا جھولی میں ہماری آرزوؤں کا پھل

نیا نویلا، مہکا، میٹھا، سندر اور سبیل
روپ ہے تیرا تتلیوں جیسا، کلیوں سا کومل

نین کٹوڑے جیسے تیرے، جھیل میں جیسے کنول
من تیرا معصوم اور بھولا، موہنا اور نزل

تو ماں باپ کی آنکھ کا تارا، آشاؤں کا بل
دادا کی کویتا کی چھل بل، اور انکل کی غزل

آپی کے دیکھے ان دیکھے سپنے کی منزل
دادی کے دل کی مسکان، چچا کی آنکھ کا تیل

روشنیوں کے شہر میں تو اک نیا نویدا باغ
اک مٹھی بھر چھت کے نیچے روشن نیا چراغ

شاہوں جیسا نام ترا، پریوں سا ترا مزاج
رب سے دعا ہے میری یہ تو کرے دلوں پر راج

رب نے دیا تیرے پُرکھوں کو علم اور پیار کا دھن
انہی دھنوں سے وہ بھر دے ترا ننھا سا دامن!

جوت سے جوت جلائے تو یوں، جگ اجیارا ہو
اپنوں کا تو ہے ہی پیارا، سب کا پیارا ہو!

اک لڑکا، اک لڑکی



اک لڑکی ہے
جس کی آنکھیں مدھ ماتی ہیں۔
ہے جس کی چال غزالوں سی
اور جس کے بال ہیں ناگن سے
اور جس کی چال نشیلی ہے
اور جس کے رُخ پر لالی ہے
اور جس کے لفظ ہیں بھولے سے
اور جس کی ادا متوالی ہے



اک لڑکا ہے
 جو سب کی آنکھ کا تارا ہے
 جو بہت ہی سیدھا سادا ہے
 اور بہت ہی بھولا بھالا ہے
 وہ ایم ایس سی میں پڑھتا ہے
 اور روز وہ کیمپس جاتا ہے
 موٹی سی کتابیں پڑھتا ہے
 اور خواب میں آگے بڑھتا ہے



یہ دونوں ہی
 بس اک دو جے کو سراہتے ہیں
 اور اک دو جے کو چاہتے ہیں
 اور پاؤں زمیں پر رکھتے ہیں
 تاروں کی باتیں کرتے ہیں
 اور چاند کے سنے دیکھتے ہیں
 اور ”ایلو، ایلو“ کہتے ہیں
 جو ”آئی کو یو“ کا مخفف ہے!



جو لڑکی ہے

اس کا اک رشتہ آتا ہے
 جس کا ماں باپ سے ناتا ہے
 وہ پھر مچر سی کرتی ہے
 پر باپ کی عزت کرتی ہے
 اور ماں سے اسے محبت ہے
 ماں باپ کے کچھ سمجھانے پر
 آخر شادی کر لیتی ہے



ہاں کل میں نے

پھر اُس لڑکی کو دیکھا ہے
 چہرے پہ وہی چنچلتا ہے
 ہے چال بھی وہی غزالوں سی
 اور آنکھیں بھی مدھ ماتی ہیں
 ہیں لفظ بھی اُس کے بھولے سے
 ہیں بال بھی اس کے ناگن سے
 ہے اس کی ادا متوالی سی!



اور کل میں نے

یہ بھی دیکھا، سچ کہتا ہوں
 آغوش میں اُس کی بچہ ہے
 جو سب کا دل پرچاتا ہے
 جو گول مٹول ہے، پیارا ہے
 اور ”آغوش آغوش“ کہتا ہے
 میٹھی کلکاریاں مارتا ہے
 اور مڑ مڑ کر جو دیکھتا ہے



اور اب میں بیٹھا سوچتا ہوں:
 اک لڑکا ہے، اک لڑکی ہے
 وہ لڑکا اس کا شوہر ہے
 اور لڑکی اس کی بیوی ہے
 اور گود میں اُن کے بچہ ہے
 جو سکھ اور چین کا پینا ہے
 اک گھر میں سارے رہتے ہیں
 اور کمرہ کو مقدس کہتے ہیں

اس گھر کو خدا آباد رکھے
تینوں کو سدا یونہی شاد رکھے!



اب میں لڑکے سے کہتا ہوں:
یہ جیون ہے! یہ جیون ہے!
اس میں تو یہی کچھ ہوتا ہے
کوئی پاتا ہے، کوئی کھوتا ہے
کیوں بیٹھا اب تک روتا ہے
یہاں کون کسی کا ہوتا ہے؟

اب اٹھ کر دل بہلا اپنا
جیون سناٹھی کوئی لا اپنا
اب تم ہی کہو، پیارے لوگو!
کیا اس سے غلط میں کہتا ہوں؟

مرے ننھے شکاری!

مرے ننھے شکاری، تم غلط سمجھے!
میں اصلی شیر کب تھا؟

ہاں، میں جنگل میں ہی رہتا تھا
ندی کے پاس چلتا تھا
مدھری چاندنی راتوں میں شیروں کی طرح بالکل!
وہی رنگت تھی میری

اور وہی سب روپ میرا تھا بظاہر
پر مری دہشت نہ تھی کوئی،
کہ میں کب مارتا تھا زور سے ایسی دھاڑیں
جن سے جنگل گونج گونج اٹھے

کہ میں کب گوشت کھاتا تھا
نہ کرتا تھا شکار اپنے کسی جنگل کے ہم دم کا
مرے جنگل کے سارے جانور محفوظ تھے
مامون تھے مجھ سے

کہ وہ سب جانتے تھے یہ،
کہ اصلی شیر کب تھا میں؟

مرے ننھے شکاری!
تم اچانک آگے اک اور سے
اور آ کے مجھ کو مار ڈالا
ایک ہی فار سے!

اور پھر میرے تن پر پاؤں رکھا
رائفل اک ہاتھ میں پکڑنی
بڑے ہی شوق سے فوٹو اتر وایا
اور اخباروں میں چھپوایا

بہت ہی داد پائی
خود کو شیر افکن سمجھنے لگ گئے!

لیکن

مرے ننھے شکاری!

تم نے یہ جانا نہیں

میں تو فقط مٹی کا ماڈل شیر تھا اک

میں بھلا کب شیر تھا اصلی؟

مجھے مارے بنا بھی

تم لٹا سکتے تھے مجھ کو

اور میرے تن پہ اپنا پاؤں رکھ کر

رائفل اک ہاتھ میں لے کر

بڑے ہی شوق سے

فوٹو اترواتے

پر لیس میں اس کو چھپواتے،

تو میں کچھ بھی نہ کہتا!

میں تو بس مٹی کا ماڈل شیر تھا

کب شیر تھا اصلی؟

مرے ننھے شکاری!

اے مرے ننھے شکاری!!

بالکل اکیلا

زمانے میں کوئی کب پر مسرت زیت کرتا ہے
 رہ الفت میں ہر ہر گام سو سو موڑ آتے ہیں
 مسلسل اک توجہ سے چہکتا پل سنورتا ہے
 وفا کی راہ مشکل ہے، بہت سے چھوڑ جاتے ہیں

نہ تھا اتنا بھی کچھ آساں، مگر میں نے تو لا ڈالے
 محبت کے چمکتے چاند تارے تیرے قدموں میں
 سنوارا ان کو حسنِ آرزو سے، اور سجا ڈالے
 وفاؤں کے مہکتے پھول سارے تیرے قدموں میں

اتارے انگلیوں کو تیری الفت میں برش کر کے
 وفا کے مسکراتے رنگ سارے تیرے آنچل میں
 تجھے مسحور کر ڈالا عجب انداز سے بھر کے
 تمناؤں کے گاتے رنگ سارے تیرے آنچل میں

کبھی اپنے قرارِ دل کو کھویا تیری بانہوں میں
 کبھی اپنے سکونِ دل کو پایا تیری باتوں میں
 کبھی خود کو بصد الفت سمویا تیری بانہوں میں
 کبھی سویا کیا دن میں، کبھی جاگا ہوں راتوں میں!

مگر اس دل نے جب چاہا تو بس تجھ کو ہی چاہا ہے
 نظر بھر کر کبھی دیکھا نہیں اس دل نے اوروں کو
 زمانے بھر میں بس اس ذہن نے تجھ کو سراہا ہے
 خزانے کی طرح رکھا سدا تیری ہی یادوں کو

ستانے کو ہمیں لوگوں کی کیا کیا انگلیاں اٹھیں
 تجھے چاہا سدا میں نے، بسایا تجھ کو تن من میں
 زمانے میں جفاؤں کی نہ کیا کیا آندھیاں اٹھیں
 نہ زنگ آنے دیا میں نے کبھی اس دل کے درپن میں

پھر اب یہ سوچ کیسی ہے اور اب یہ حال کیسا ہے
 کہ میرے چار سو جلتی جفاؤں کا جھمیلا ہے!
 کہ حاوی میرے روز و شب پہ اک جنجال جیسا ہے
 کہ غم پر غم ہے اب، اور آج دل بالکل اکیلا ہے!

چلو، لوٹیں اُنہی نیلے جزیروں کی طرف جاناں.....

چلو، لوٹیں اُنہی نیلے جزیروں کی طرف جاناں
کہ جن کے آسمانوں پر سبک رفتار سے
اُڑتی ہیں کونجوں کی قطاریں
صبح دم بھی، اور سواِ شب میں بھی
اور جن کے ٹھنڈے ساحلوں سے آ کے ٹکراتی ہیں
ٹکراتی چلی جاتی ہیں
پانی کی پھوہاریں
تیز دھاریں!
رہزرجن کے خنک خوشبو بھری تازہ ہوا سے ہر گھڑی
معمور رہتے ہیں

عجب سے ایک نشے میں سدا مخمور رہتے ہیں
 جہاں پر خواہشوں کے اونچے لمبے ناریل دھیمی سی، مہکی سی فضا میں
 سانس لیتے ہیں

جہاں پر آرزو کے یام ہر سولہلہاتے ہیں
 تمناؤں کے ٹیولپ مسکراتے ہیں
 نئے انداز سے صدرنگ سپنوں کے گلابوں کی مہک ہر سو رچی رہتی ہے
 جس جا آگہی کے ننھے ننھے سے پرندے
 اپنے ست رنگے بدن سے رقص کرتے ہیں
 نرالے طور سے بنتے سنورتے ہیں
 فضا کو آرزوؤں اور تمناؤں سے بھرتے ہیں!

یہاں اب وقت بنجر ہو چلا ہے
 چار سو پھیلی زمیں کا پیلا دامن اپنی ہر روئیدگی کو کھو چلا ہے
 بارشوں کا خوبصورت اور ست رنگا سماں بھی سو چلا ہے
 اب یہاں کچھ بھی نہیں اگتا
 نظر ویران ہوتی جا رہی ہے
 جس کی رنگت بھی ہر شے میں سموتی جا رہی ہے
 خوشبوؤں کے تیرتے ہلکے سے جسموں کو بھیانک سے

خلاؤں میں ڈبوتی جا رہی ہے

اب یہاں پر چار سو چپ کا تسلط ہے

نہ اک آہنگ باقی ہے

نہ کوئی رنگ باقی ہے

نہ چہروں پر تروتازہ سا وہ گل رنگ باقی ہے

علامت تھا جو خوابوں، خواہشوں کا، آرزوؤں اور تمناؤں کا

بھلا کوئی بھی چارہ اب کہاں باقی؟

چلو، لوٹیں انہی نیلے جزیروں کی طرف جاناں!

عزیز و محترم پروفیسر سمیع اللہ قریشی صاحب کی نذر!

(۵۔ جون ۱۹۹۶ء کوریٹائر ہونے والے پرنسپل)



مرے ہم نوا مرے ہم نفس، مرے پرنسپل
 تری نذر ہیں، ہوئے ٹوٹے پھوٹے جو شعر کل
 مجھے ہے یقین، تجھے اس سے بے خبری سہی
 سر شاخ نور و سرور و دانش و آگہی
 ابھی علم و فضل کے اور پھل کئی آئیں گے
 کئی آچکے ہیں پرنسپل، کئی آئیں گے
 مجھے لگ رہا ہے کہ تجھ سا کوئی نہ آئے گا
 مراد دل کسی میں وہ حسن ذوق نہ پائے گا
 جو ملا ہے تیرے جمال سادہ مزاج میں
 جو رچا ہے یاں ترے ایک سال کے راج میں



وہ حسین دن بھی رہے گا یاد مجھے سدا
 کہ تو شہ درے کے لیے رفیق سفر بنا
 وہاں ایم، اے کے سبھی لڑکے لڑکیاں ساتھ تھے
 وہاں خوب سیر کے ہم سبھی نے لیے مزے
 وہاں کھانے پینے کے بعد خوب ہی گپ لگی
 کبھی بوتل، اور کبھی چائے، اور کبھی شاعری



اک عجب سا رنگ لیے وہ ”شامِ فسانہ“ تھی
 کہ وہ بچوں کے لیے تربیت کا بہانہ تھی
 وہ مشاعرہ بھی اسی قبیل کی چیز تھا
 کہ وہ ہم سبھوں کے لیے ہی حسنِ تمیز تھا



مرے دل پہ نقش رہیں گی تیری وہ شفقتیں
 نہیں بھول پاؤں گا میں وہ تیری رفاقتیں
 ترا دھیرے دھیرے وہ دھیمے لہجے میں بولنا
 وہ ہر ایک لفظ کو اپنے ذہن میں تولنا

وہ عجیب پیار سے ہم سے کہنا کہ ”صاحبو!
نہ ہو زحمت اس میں جو کوئی تو کبھی یوں کرو“
مرے شانے پر وہ رفاقتوں سے بھری تھپک
مجھے علم ہے، مجھے یاد آئے گی دیر تک



ترا پیار سے مرا ذاتی نام پکارنا
مرے حسنِ ذوق کو چاندنی سے نکھارنا
ترے سارے لفظ محبتوں میں بسے ہوئے
ترے سب خیال بھی شفقتوں میں رچے ہوئے
مرے بیٹی بیٹے کے بارے میں ترا پوچھنا
”ہوا ہے نا ٹھنڈی ہوا کا کوئی دریچہ وا؟“



مرے شعبے میں کبھی تیرا آنا وہ پیار سے
وہاں ساتھ بیٹھ کے چائے پینا ڈالر سے
وہ بٹھا کے پہلو میں پیار سے، کبھی روبرو
وہ نیپٹی سی ادب کے بارے میں گفتگو
کبھی ننھے ننھے سوال چٹ پہ لکھے ہوئے
مگر التفات کا حسن تن میں لیے ہوئے

نہیں بھول پاؤں گا تیرا تحفہ کتاب کا
کہ یہ کام ہے مرے دین میں تو ثواب کا
”کبھی یاد تجھ کو میں کر سکوں“ یہ لکھا بھی ہے
تجھے دل سے کوئی بھلا سکے، تو نہیں وہ شے!



مری اپنے رب سے ہے یہ دعا ترے واسطے
کہ وہ یاں بھی اور وہاں بھی تیرا بھلا کرے!
تری نذر میری عقیدتوں کے نصاب سب!
تری نذر میری محبتوں کے گلاب سب!

ایک نظم، عبدالمجید شیخ صاحب کے لیے!

تیرے جانے پہ، مرے دوست، مرے یار عزیز
میرے سینے میں ہے اک محشر جذبات پاپا
بات کہنے کا سلیقہ مجھے حاصل، نہ تمیز
یہ بھی کب علم، کہ کیا بیجا ہے اور کیا ہے بجا!

میرے سینے میں مچلتی ہیں ہزاروں باتیں
سوچتا ہوں کسے روکوں، کسے لب پر لاؤں؟
تو نے جو دی ہیں رفاقت کی حسیں سوغاتیں
کس کا میں ذکر کروں، کس کو نہ میں دہراؤں!

یوں تو ہم دونوں کو یاروں کے سلام آئے کئی
دوستی اتنی بڑھی اپنی، کہ افسانے بنے!
جادۂ زیست میں ایسے بھی مقام آئے کئی
مشترک دوست ہمارے کئی انجانے بنے!

یاد ہوگا مرے ساتھی تجھے وہ دن اب بھی
ہم کسی دوست سے جب مورد الزام ہوئے
ہم سے منسوب ہوئی بات جو ہم نے نہ کہی
حق پرستی کے لیے بعد میں بدنام ہوئے!

”عہد نامہ“ بھی وہ یادوں میں تو ہوگا موجود
”دستخط اس پہ کرو“ کہتے تھے نادان ہمیں!
بے اماں کار کی رفتار، وہ بچنا بے سود
رب نے جب ہاتھ سے جیون کا دیا دان ہمیں!

کتنے رمزوں میں چھپی ہے ترے دل کی چاہت
ایک بارات سے یادوں کی سچی ہیں بانہیں
یہی بارات ہے یادوں کی ہماری دولت
جس سے روشن ہیں شب و روز ہماری راہیں

تیری پاکیزہ و بے داغ صداقت کی چہک
ایک عرصے سے مرے تن میں رچی رہتی ہے
تیری بے لوث محبت کی، رفاقت کی مہک
پہلے آنکھوں میں تھی، اب من میں چھپی رہتی ہے!

اس قدر علم ہے مجھ کو، کہ رفاقت تیری
دل کی آواز بنی، روح کا اک ساز بنی
جب بھی تاریکی میں بھٹکا ہوں، محبت تیری
میری مونس، مری ہمدم، مری دمساز بنی!

ہال، رہداریاں، پھولوں سے سجے یہ رستے
دفترِ صدر نشین، کھیل کی جا، کمرہ فیس
یہ بڑی لائبریری، یہ کشادہ کمرے
ہم نے اک ساتھ گزارے ہیں برس یاں تینیس!

عمر کا ایک بڑا حصہ گزارا ہے یہاں
ساتھ دشواریاں جھیلی ہیں نہ جانے کتنی
ساتھ ہی زیست بہر طور ہوئی ہے آساں
میں نے کب پائی تھی کالج میں رفاقت اتنی

تیری بھرپور رفاقت نے کیے تھے جو پسند
اب مری آنکھوں میں وہ سنے جگیں گے کیسے؟
مجھ کو اسلامیہ کالج کے در و بام بلند
سوچتا ہوں کہ ترے بعد لگیں گے کیسے؟

میری خواہش ہے کہ اس طور بڑھے پیار کا رنگ
لہلہائیں تری پاتوں کے حسیں گل بوٹے! م
میرے فردوسِ نخیل میں ہو ایثار کا رنگ
میرے تن من سے تری ذات کی خوشبو پھوٹے!

ایک نظم زاہد منیر صاحب کے لیے

اے مرے دوست! خدا تجھ کو سلامت رکھے!
وہ ترے رزق میں، گھر بار میں برکت رکھے!

دوستی اور وفا ہے مرے رب کی پہچان
جنم دے دیتا ہے الفت کو، جہاں چاہے، شتاب
اُس کے ہی ”گُن“ سے مہکتی ہے وفا کی خوشبو
اُس کے ہی حکم سے کھلتے ہیں محبت کے گلاب

ہم، کہ کچھ روز ہوئے چہرہ شناسا بھی نہ تھے
اُس کے ہی حکم سے کالج میں ملے، ملتے رہے
رفتہ رفتہ یہ ملاقات بڑھی، دوست بنے
پھول بے لوٹ رفاقت کے یونہی کھلتے رہے

رب جسے چاہے، خلوص اور وفا دے ڈالے
اجنبی ہم تھے، مگر اُس نے عنایت کر دی
اُس نے پیدا کیے ہم دونوں میں مہر اور وفا
اور سینوں میں محبت کی، یہ دولت بھر دی

وقت چلتا ہے دے پاؤں، کہ آہٹ بھی نہ ہو
کوئی بھی یہ نہیں جانے، ہے کیا ہونے والا
جاگنے والے نے منزل کو کیا کوچ، مگر
بے خبر رہ گیا سوتا ہوا سونے والا

جادۂ زیست پہ ہر راہی بڑھے جاتا ہے
کس میں دم خم، کسی کو بڑھ کے کوئی ٹوک سکے
ہم چلے جانے پہ تیرے کہیں کیا اس کے سوا
ہم میں خوبی نہ تھی کوئی، نہ تجھے روک سکے!

اب جو درپیش ہے تجھ سے یہ جدائی، اے دوست
میں ہوں یوں محوِ دعا، رب تجھے خوشیاں دکھلائے
تُو جہاں جائے، کھلیں تازہ محبت کے گلاب
جس جگہ تیرا گذر ہو، تُو وفائیں بکھرائے

اس جہاں کا یہی انداز ہے اے یارِ عزیز
کہیں پر خار کھٹکتا ہے، کہیں پھول ہے دوست
میرا رب تجھ کو ہر اک آن مہکتا رکھے
تُو کسی پیارے سے آنگن کا حسیں پھول ہے دوست!

تیرے ماں باپ کی عمروں میں درازی ہو عطا
تجھ میں وہ دونوں مجسم نظر آتے ہیں مجھے
آمنہ، عمر کو، مریم کو ترا پیار ملے
جو ترے چار سُو ہر دم نظر آتے ہیں مجھے

پھول جھڑتے تھے دم گفتگو تیرے منہ سے
تیری شائستگی آئے گی بہت یاد ہمیں
نئے کالج میں کئی دوست ملیں گے تجھ کو
دوست مل پائے گا تجھ سا نہ ترے بعد ہمیں

محفلِ دل ترے جانے سے ہے کتنی سُونی
 ایک تنہائی سی تنہائی ہے دل میں رقصاں
 اب تصور ہی تصور میں، کہ شاعر ہوں میں
 تیری جانب ہیں ترے دوست کی آنکھیں نگران

آس پر یاس دے پاؤں بڑھی آتی ہے
 دل تو بوجھل ہے، مگر پھر بھی یہ اک بات کہے
 فاصلوں سے نہیں مٹی ہے وفا کی خوشبو
 تو جو چاہے تو خلوص اور وفا باقی رہے!

ایک نظم محمد عثمان خان یوسفی صاحب کے لیے!

یہ مرے اسلامیہ کالج کے بام و در بلند
میرا رب رکھے انہیں دنیا میں ہر پل ارجمند

یہ بدلتے موسموں اور روز و شب کے ہیں گواہ
یاد ہیں ان کو یہاں آتے رہے جو سربراہ

کیسی کیسی شان و شوکت کے امیں وہ لوگ تھے
کیسے کیسے علم و حکمت کے امیں وہ لوگ تھے

اب ہیں یاں تشریف فرما چوہدری عبدالسعید
جو ہمارے پرنسپل ہیں، دید جن کی اپنی عید

اور یہاں تشریف فرما ہیں جناب یوسفی
رخصتی میں جن کی ہے یہ محفل یاراں سچی

دوست انگریزی کے شعبے کے سبھی موجود ہیں
اور اجازت سے سبھوں کی بات کچھ کہتا ہوں میں

عرض ہیں کچھ ٹوٹے پھوٹے لفظ لیکن بر محل
یہ ہمارے صدر شعبہ اور وائس پرنسپل

شکر یہ ان کا کہ کی دعوت ہماری یہ قبول
نام کے آغاز میں ہے نامِ نامی رسولؐ

اور اس کے بعد ہیں عثمان بھی اور خان بھی
پر وہ کہلاتے ہیں اپنے شوق سے بس یوسفی

بردباری کا نمونہ، اور نہایت خوش خصال
وضع داری میں انہیں حاصل ہے حد درجہ کمال!

وہ نظر آتے نہیں غصے کے عالم میں کبھی
مسکراہٹ اُن کے چہرے پر صدا دیکھی سچی

ہمدم دیرینہ بھی، ساتھی بھی اور دمساز بھی
مونس و غم خوار بھی، صاحب بھی اور ہمراز بھی

یوسفی صاحب سے ہے اپنا تو دیرینہ نیاز
رب تعالیٰ ان کو رکھے دو جہاں میں سرفراز

تیس سالوں تک مسلسل خدمتِ تعلیم کی
اور اس شعبے سے ہوتی ہے اب ان کی رخصتی

ان کے جانے کے تصور سے ہے اپنا دل ملول
حالِ دل اپنا عیاں اتنا ہے، کہنا ہے فضول!

ہم نے کتنے سال سنگت میں گزارے ہیں یہاں
مختصر ہے وقت، کیا رو داد ہو اُن کی بیاں

زندگی کے راز ہم نے اُن سے سیکھے ہیں کئی
ان کا ہے احساں، کلاس ایم۔ اے کی کھلوائی نئی

اور جمایا اس کو اس انداز سے، اس طور سے
 دوسرے کالج اسے اب دیکھتے ہیں غور سے
 رب نے چاہا تو کریں گے اور روشن باب کو
 دیر ہوتی جا رہی ہے اب مرے احباب کو
 اس لیے کرتا ہوں اپنی نظم کو اب مختصر
 وقت ہے مجھ سفر اور ہم بھی ہیں مجھ سفر
 چلتے چلتے اک پرانی یاد بس آئی بہت
 جب نئے تھے ہم، طبیعت اپنی گھبرائی بہت
 تب ہماری کی انہوں نے ہمت افزائی بہت
 اپنے دل کو ان کی یہ پیاری ادا بھائی بہت
 جب بھی کالج کا رسالہ دیتے تھے ترتیب وہ
 پیار اور شفقت سے کہتے تھے ہمیں مضمون کو
 ہم نئے تھے، اپنی انگریزی پہ کب تھا اعتماد؟
 حوصلہ افزائی نے ان کی کیا دل اپنا شادا!

رب کی رحمت، ان کی شفقت سے چلا تھا جو قلم
 اس قلم سے آج تک لکھتے چلے جاتے ہیں ہم
 اور آخر میں ہماری اپنے رب سے ہے دعا
 وہ عطا کر دے انہیں اچھا سا ساتھی زیست کا
 تاکہ ان کے دل کی پڑمردہ کلی بھی کھل سکے
 اور کبھی گھر جائیں ہم، تو چائے پانی مل سکے!

قطعات



محبت کی ترنگوں میں نہ ہم کیا کیا ہے
 تری خاطر زمانے کے ستم کتنے ہے
 وفا تو بھی ذرا سی سیکھ ڈال اب جان من
 گھسے پتھر کی سل پانی اگر پڑتا رہے!



خوشی حاصل ہو یا دل میں ملال آئے کوئی
 کرے جو لا جواب ایسا جواب آئے کوئی
 بس اتنی بات کا دل جان سے رکھنا خیال
 کسی کے دل کے شیشے پر نہ بال آئے کوئی



تجھے چاہوں ہوں اے جاناں میں کتنے چاؤت
 حوادث کا سفر کرتا ہوں دل کی ناؤت
 بس اتنی التجا ہے تجھ سے اے نا مہرباں
 جفا کے جیم کو تبدیل کر لے واؤت



مرے یارو! نہ مجھ سے فلسفہ چھانٹو ذرا
مجھے کچھ راہ دیدو، راہ کے کانٹو، ذرا
مجھے مل جائے گا منزل کا پیارا پھول بھی
مجھے سمجھو، مرا دکھ درد بھی بانٹو ذرا



مجھے بدلے میں تجھ سے کچھ بھی کب مطلوب ہے
ترا بس سامنے رہنا مجھے مرغوب ہے
ہر اک ناخوب بھی تیرا مجھے تو خوب ہے
تیبھی تو تو مرا جاناں، مرا محبوب ہے!



بہت ہی خوب ہیں صدق و صفا کے راستے
ہمیں مرغوب ہیں مہر و وفا کے راستے
تجھے، اے یار، یہ بالکل نہیں بھاتے، تو پھر
ہمیں محبوب ہیں جو رو جفا کے راستے



تر و تازہ رہے یا خوار اور خستہ رہے
 سدا روتا رہے یا یہ سدا ہنستا رہے
 مجھے کچھ بھی نہیں مطلوب بس اس کے سوا
 ترے ہاتھوں میں میرے دل کا گلدستہ رہے



ترے داماں سے دامن جن کا وابستہ رہے
 تری یادوں سے دل جن کا حنا بستہ رہے
 کہاں راہوں کے پیچ و خم میں وہ گم ہو سکیں
 جنہیں بس ایک تیرے نام کا رستہ رہے



مری رگ رگ میں اک طوفاں مچایا آپ نے
 نرالی دُھن پہ قدموں کو نچایا آپ نے
 نئے ہی رنگ سے چاہوں نہ کیوں میں آپ کو!
 عجب خوشبو سے میرا تن رچایا آپ نے!



جفا و جور کے برسائے کوڑے بہت!
 ہماری راہ میں اڑتے رہے روڑے بہت!
 تزی راہیں ہی، اے جاناں، ہمیں محبوب تھیں
 انہی راہوں پہ دوڑاتے رہے گھوڑے بہت!



نظر آئے سمندر جس میں وہ قطرہ دیا
 مرا دل لے کے بدلے میں مجھے دریا دیا
 مجھے شعر و ادب کیونکر نہ ہوں محبوب، بول!
 انہیں کی راہ سے تو نے مجھے کیا کیا دیا!



نہیں دنیا میں میرا اور کوئی بھی ہدف
 نہ مانگوں تجھ سے میں موتی، نہ مانگوں میں خنزف
 تجھے میں دل کی اندر کی تہوں میں سینت لوں
 کہ میرا دل تو ہے، جاناں! صدف اندر صدف!



میں دنیا داری میں جکڑا ہوا انسان ہوں
عجب صدموں میں ہوں، دل رنج میں پھنستا رہے
مگر جاناں، مری یہ آرزو ہے، تو ملے
ترے قدموں میں ہوں تو دل سدا ہنستا رہے!



میں خالی ہاتھ ہوں، کس طور جوڑوں کیا بھلا
میں کیا حاصل کروں یاں، اور چھوڑوں کیا بھلا
مجھے درکار ہے ہر شے تجھی سے بھیک میں
میں ننگی ہوں، نہاؤں کیا، نچوڑوں کیا بھلا!



گراں کوہِ ستم یکبارگی ہی ہل گیا
مرا دامن کہ تھا صد چاک، آخر سل گیا
سدا بھٹکا کیا دُنیا میں خالی ہاتھ میں
ترے در پر جو آ پہنچا، تو سب کچھ مل گیا!



جو ہم سے لے سکے کچھ، اور کچھ دے بھی سکے
وہی انسان دنیا میں سدا خوش جی سکے
جرمی انسان دنیا میں بہت دیکھے سلیم
مگر سب سے بہادر وہ، جو غصہ پی سکے!



بہت سے شاد ہیں یاں، اور بہت ناشاد ہیں
بہت آباد ہیں یاں، اور بہت برباد ہیں
وہ مالک جانتا ہے ہم کریں گے کیا یہاں
مگر کرنے کی خاطر ہاتھ تو آزاد ہیں!



خزاں آئی ہے گلشن میں، تو دھول اڑنے لگی
کہاں وہ رونقیں باقی، کہاں وہ قہقہے!
کوئی چڑیا، کوئی کونل، کوئی بلبیل نہیں
بھلا کس طور گونجیں باغ میں اب چہچہے!



خموشی ہے، کہاں بجتی ہیں اب شہنائیاں
جو خوشیاں ہوگئی تھیں جمع، سب گہنائیاں
ہوا تھا اس قدر گہرا مقدر بھی کبھی؟
لکھی تھیں کس قدر تقدیر میں پہنائیاں!



عجب کچھ رنج و غم اور دردِ بے درماں بہت
رہے دل میں ہمارے رات بھر مہماں بہت
بہت تنہائی تھی اور روح بھی بوجھل سی تھی
ہمیں یاد آئے تم، اے جان، اے جاناں، بہت!



عجب کچھ زندگی میں اپنی زیرو بم رہے
ملیں خوشیاں نرالی اور انوکھے غم رہے
پچھڑ کے تم سے تو یہ زندگی کچھ بھی نہ تھی
بہت ہی خوب تھا تم جب تلک ہمدم رہے!



کھلیں گلشن میں گل، اور بلبلیں گاتی رہیں
 دعا یہ ہے کہ میرے چار سو سبزہ رہے!
 کبھی بھولے سے بھی بھولوں نہ تجھ کو جان من
 مرے من کے نگر پر تیرا ہی قبضہ رہے!



پسند آیا ہمیں سیلاب کا رخ موڑنا
 لگا اچھا ہمیں اونچے ستارے توڑنا
 رہے مشکل پسند، اے جان، ہم آغاز سے
 کہاں آساں ہے تیرے دل سے دل کو جوڑنا!



بہت بے مایہ تھے، بے چین تھے، بے کار تھے
 ہمارے روز و شب خود درپے آزار تھے
 ترے ملنے سے پہلے زیست کا کیا رنگ تھا
 کہ پھولوں کے بدن میں بھی نرالے خار تھے!



گھلے ہیں لوگ کچھ دنیا میں، اور کچھ بند ہیں
 غم میں ہیں لوگ کچھ یاں، اور کچھ خورسند ہیں
 نبھائے جاتے ہیں دنیا میں جو رسمِ وفا
 دوانے آج کل ایسے تو بالکل چند ہیں!



سدا رُخ ہم نے رخسِ عمر کا موڑا بہت
 سدا رشتہ کہیں توڑا، کہیں جوڑا بہت
 پر آخر آ کے تیرے آستیاں پر پڑ رہے
 ترے ہی سنگِ در پر ہم نے سر پھوڑا بہت!



بہت پھرتے رہے دنیا میں ہم بھی گھومتے
 رہے یوں نشہِ اُلفت میں ہم بھی جھومتے
 ترے دستِ حنا بستہ مگر اے جانِ جاں
 نہ تھا تقدیر میں شاید، کہ ہم بھی چومتے!



نہیں رکھا ہے کچھ بھی آہ میں اور واہ میں
 سبھی پایاب دریا تھے جو چھوڑے راہ میں
 ہے اب گہرے سمندر کی طرف اپنا سفر
 تری ہی چاہ میں، جاناں، تری ہی چاہ میں!



سچی تھیں موسمی پھولوں سے ہلکی جالیاں
 بجاتے تھے ہوا میں سبز پتے تالیاں
 کنارے نہر کے کل شب تھی وہ محو خرام
 اور اُس کے کانوں میں لرزاں سنہری بالیاں!



اسی کے دم سے مٹ جائے ہر اک شرمندگی
 اسی کے دم سے چہرے پر سچے تابندگی
 اسی کے دم سے انساں کی نرالی شان ہے
 محبت ہی ہے بس اصلِ اصولِ زندگی



ذرا کچھ دُور گندم کی سنہری بالیاں
 لدی تھیں آم کے بوروں سے تھل تھل ڈالیاں
 کنارے نہر کے ساکت کھڑے تھے پاپر
 ہوا چلتی تو بجتی تھیں دبی سی تالیاں
 گھنے سے باغ کے گوشے میں اک میں، ایک تو
 ہمارے چار جانب چھوٹی چھوٹی ٹاہلیاں



محبت سے ہی ہے سب آب و تابِ زندگی
 محبت سے ہی ہے روشن کتابِ زندگی
 محبت، ہاں محبت، جانِ من، جانانِ من
 محبت کو بنا لے تو نصابِ زندگی



عجب اس شوخ کو الفت سے میری ضد ہوئی
 تو میرے دل پہ اک تازہ غزل وارد ہوئی
 پھر اس کے بعد بس یہ دل دھڑکتا رہ گیا
 وگرنہ باقی ہر شے ساکت و جامد ہوئی



ہراک پل اُس کے جلووں سے ہماری جنگ تھی
عجب پتھر کی صورت تھی کہ بالکل سنگ تھی
ستم افروزی جانِ تمنا تھی غضب
بس اک سسکی بھری، اور زندگی بے رنگ تھی!



حیا کا رنگ دوپٹے سے چھننا خوب تھا
کلی کا مسکرا کر پھول بنا خوب تھا
جمالِ حسن کے نسخے تجھے آتے تھے خوب
نکھرنا تیرا، اے جانِ تمنا، خوب تھا



ہمیں تسلیم آنکھوں میں تری کجرا نہ تھا
ہے یہ بھی سچ، کہ ہاتھوں میں کوئی کجرا نہ تھا
مگر ہم نے تجھے پھر بھی یہ دل دے ہی دیا
ترا وہ کون سا تھا روپ جو کجرا نہ تھا



عجب اس زندگی نے جسم و جاں کو بل دیئے
 جلاتے ہی رہے راہوں میں ہم پل پل دیئے
 رہے محوِ محبت رات بھر جاناں سے ہم
 ہوئی جب صبح، تو کالج کی جانب چل دیئے



کبھی مہر و وفا کی بات تو نے کی نہیں
 ترے پہلو میں شاید دل سی شے تھی ہی نہیں
 مری الفت کو سمجھی سردیوں کی چاندنی
 کھلی کتنی، مگر دامن میں تو نے لی نہیں!



محبت کے لیے تیرا ستم قدغن بنا
 ستم سہہ کر جئے جانا ہی اس کا فن بنا
 نہ بھولے سے کرم کرنا، کہ مر جائے گا یہ
 ستم سہہ سہہ کے میرا دل عجب کندن بنا!



جو چہرہ رات خوابوں میں مرا مہمان تھا
 وہ چہرہ روح تھا میری، وہ میری جان تھا
 نرالا روپ تھا اس کا، نرالی تھی مہک
 وہ چہرہ کارنس پر اک سجا گلداں تھا!



عجب دن سردیوں کے خوب صورت تھے بہت
 نرالی خوشبوؤں کی وہ مہورت تھے بہت
 منڈیروں سے اترتی دھوپ میں جلوے ترے
 نکھرتے تھے عجب، اور بے کدرت تھے بہت!



کبھی خوابوں میں تیرے دل سے دل کو جوڑنا
 کبھی وہ جاگتے میں تیرا دل کو توڑنا
 ہمیں معلوم تھا، وہ دن بہت یاد آئیں گے
 تجھے ملنے کی خاطر وہ کلاسیں چھوڑنا



وہ کیفے ٹیریا میں بوتلوں پر دل کی بات
کتابوں کے بہانے وہ کبھی ہاتھوں میں ہات
وہ کیمپس کی سچی راہوں پہ دو بھولے سے دل
وہ رنگ اور نور میں مہکی ہوئی سی شش جہات!



وہ پچھلے پنج پر لیکچر میں بھی سرگوشیاں
وہ ٹوپک پر بحث کے روپ میں دل کا بیاں
وہ لینا اور دنیا نوٹس کا خط کے لیے
اور اس کے بعد وہ سر کو کھجاتے امتحاں!



رہے ہم کھوکھلے سے اپنے اندر سے بہت
جفا کے ٹنڈ کوڑے رُوح پر برسے بہت
عجب اک بے نیازی کی تھی وہ مورت سلیم
توجہ کے چہکتے پل کو ہم تر سے بہت!



عجب کیمپس کے گوشوں میں کئی گھاتیں ہوئیں
 نگاہوں ہی نگاہوں میں ملاقاتیں ہوئیں
 کسی کی لائبریری کی سچی شلفوں کے بیچ
 کسی کی سیڑھیوں پر بیٹھ کر باتیں ہوئیں



بہار آئی، کھلے کیمپس میں تازہ تر گلاب
 مہک اٹھا، چہکتا سا بہکتا سا شباب
 ارسطو، اپلیٹ کو جینینیس پڑھتے رہے
 جو دیوانے تھے، وہ پڑھنے لگے دل کی کتاب!

یادِ رفتگان

قبر کی مٹی کو سوئیوں، یہ نہ تھا یا را مجھے
چھپ گیا مٹی میں وہ چہرہ جو تھا پیارا مجھے

اے مری جاں

مری ماں

اے مری جاں

آج پھر تو یاد آئی ہے مجھے اس طور

جیسے تو ابھی رخصت ہوئی ہو

یوں تو میں نے زیست کے لمبے سفر کا نصف سے زیادہ گزارا ہے

تری رخصت کے بعد

اس دُکھ بھری لمبی مسافت میں مگر اک ایسا سایہ تھا مرے سر پر

کہ جو ہر لمحہ، ہر ساعت، ہر اک پل پھیلا رہتا تھا

دکھوں کی دھوپ سے مجھ کو بچاتا تھا

کبھی آنڈھی چلے، یا آگ بر سے

تو تری مانند اُلفت سے چھپا لیتا تھا مجھ کو جھٹ سے

وہ دامن میں اپنے

گر کبھی سیلاب آتا تھا
کبھی گرداب میں پھنستا تھا میں

تو وہ مجھے یوں

اپنے تن کی گھلتی جاتی نرم کشتی میں بٹھا کر

مسکراتے ساحلوں پر پھر سے پہنچاتا

کہ اک جھٹکانہ لگتا، ایک ہچکولانہ آتا تھا

عجب انداز تھا اُس کا۔

کہ ہر پل مجھ کو بھاتا تھا

کبھی جب زمہریری موسموں میں

میرے جسم و جاں کے گردا گرد

تند اور تیز برفانی ہوائیں رقص کرتیں

تو سراپا اُس کا مجھ کو ڈھانپ لیتا تھا

مجھے نرم اور گرم آرام دیتا تھا!

مری ماں

اے مری جاں

وہ مرا سایہ
مری خوش بختی کا سایہ
دعا کے ہاتھ میرے
میرے جسم و جاں کی وہ روشن پناہیں
گرم اور ٹھنڈی رتوں کی بے اماں کچھ ساعتوں میں
سب منوں مٹی کے نیچے سو گئے ہیں!

مری ماں
اے مری جاں
آج تک مر کر بھی تو میرے لیے زندہ رہی تھی اُس کے قالب میں
مگر جب آج یوں وہ چل دیا ہے
دیکھتے ہی دیکھتے
تو مجھ کو یوں محسوس ہوتا ہے
کہ جیسے تو ابھی رخصت ہوئی ہو!

میں نے کبھی سوچا نہ تھا!



میں نے کبھی سوچا نہ تھا

اے جانِ جاں

اے مہرباں

اے بے زباں

اک بے اماں مرگ آئے گی

اور یوں تجھے لے جائے گی

تو ہاتھ میرا چھوڑ کر

دل توڑ کر

(وہ دل جسے تو نے کبھی توڑا نہ تھا!)

دنیا سے منہ کو موڑ کر
چپ چاپ مرگِ بے اماں کے ساتھ یوں چل دے گا
جیسے تجھ کو خود بھی ساتھ چل دینے کی جلدی ہو!



میں نے کبھی سوچا نہ تھا
اے جانِ جاں
تو وہ ستوں تھا
جس پہ میرے گھر کی ہر شے پائیداری سے ٹکی تھی
جس نے ہر دیوار و در کو تھام رکھا تھا
ترے جانے سے ہر شے لرزہ بر اندام سی ہے
اب جو میری زندگی ہے
جیسے بس بے نام سی ہے!



میں نے کبھی سوچا نہ تھا
اے جانِ من
سرچشمہ مہر و وفا
خیر و دعا
اس طور سے تو ایک دن کھو جائے گا

دھرتی کی سرد آغوش میں
سر رکھ کے یوں سو جائے گا
سننے میں بھی سو چاہتا تھا جو
وہ سبھی کچھ آن واحد میں فقط ہو جائے گا
ان جاگتی آنکھوں کے بالکل سامنے
اک سنگدل، پتھر یلے دن کے سخت اور سنگین پل میں
ہاں، فقط بس ایک پل میں
ایک ساعت میں!



میں نے کبھی سو چاہتا تھا
اے جانِ جاں
اک روز عید آئے گی یوں
میں عید گہ میں اپنے سب پیاروں کی شگفت میں کھڑا ہوں گا
نماز عید کی خاطر
تو میرے بائیں پہلو میں
تری جا پر سراسر اجنبی سا شخص ہوگا
تو نہیں ہوگا!
مرے بچپن سے لے کر آج تک

یہ عید پہلی عید ہے
 جب تجھ سے ملنے کے لیے
 شہرِ خموشاں کی طرف کرنا پڑا ہم کو سفر
 اور واں ہماری منتظر آنکھوں نے
 تری قبر سے
 دھرتی کی تہہ کی بھاری اور خاکستری چادر اٹھا کر
 تجھ کو اپنے روبرو دیکھا
 تو محو خواب تھا جیسے سکوں سے
 تجھ سے ممکن ہی نہیں تھی ہم کلامی
 اک خلش سی رہ گئی
 دل میں کھٹکتی!



میں نے کبھی سوچا نہ تھا
 اے جانِ جاں
 تیری دعا اس طور سن لی جائے گی
 بچپن سے سنتے آئے تھے
 تو نے ہزاروں بار رب سے یہ دعا مانگی تھی
 ”اے رب! مجھ کو چلتے ہاتھ پاؤں ہی اٹھالینا“

کبھی معذور مت کرنا!

تو جھٹ پٹ، آن واحد میں

ہو اس طور ابدی راستے پریوں روانہ

پرسکوں انداز سے،

میں ساتھ بیٹھا تھا

مرے ہاتھوں میں تیرا ہاتھ تھا

پر مجھ کو بھی معلوم ہو پایا نہ جس لمحے گیا تو!

اور یوں جانے سے کوئی پانچ گھنٹے قبل

تھوڑے سے سہارے سے ،

تو اپنے پاؤں پر چل کر

سج سے گاڑی میں بیٹھا

مسیحا کے مطب میں جانے کی خاطر!

رہا آخر تلک محو کلام اپنے عزیزوں سے!



میں نے کبھی سوچا نہ تھا

اے جانِ جاں

تو میرے گھر آنگن کا وہ چھتار پھیلا پیڑ تھا

جس کی گھنی سرسبز شاخوں کے تلے

ہم سب، تسلی اور اطمینان سے،
 موسم کے گرم و سرد سے محفوظ رہتے تھے
 جڑیں جس کی رگ و پے میں بہت ہی دُور تک پھیلی ہوئی تھیں
 اور ثمر جس کے حقیقت میں تھے ہم سب خود!
 ترے جانے سے

گھر آنگن بنا لقا و ق بیاباں، سنسناتا ایک صحرا
 جس پہ گرمی میں تڑا قے کی پڑے دھوپ
 اور سردی میں چلیں طوفان برفانی
 ترے سائے نے کیا کچھ روک رکھا تھا!



میں نے کبھی سوچا نہ تھا

اے جانِ جاں

تجھ کو بلا تخصیص سب بچوں سے الفت تھی

ہر اک کو پیار سے ”بیٹا“ ہی کہہ کر تو بلاتا تھا

تجھی تو آج تک بچے بھی تجھ کو یاد کرتے ہیں

..... جہاں میں زندگی اور موت کی نازک عجب تفریق کو

معصوم سے چھوٹے سے بچے کب سمجھتے ہیں

مگن رہتے ہیں وہ تو اپنے کھیلوں میں سدا ہنستے ہوئے

لیکن تری رخصت کے لمحے سارے بچے رورہے تھے
آنکھ میں آنسو بھرے
اور سسکیاں لے کر!
ترے وہ سارے بچے یاد کرتے ہیں تجھے اب تک!



میں نے کبھی سوچا نہ تھا
اے جانِ جاں
تو جو کہ میری ذات تھا
میں تھا سراپا
اس طرح اک پل میں
میری ذات سے، مجھ سے جدا ہو کر
رہ ملکِ عدم پر
یوں رواں ہوگا
کہ بس اک لمحہ پہلے
ایک ساعت قبل
تیرا ہاتھ میرے ہاتھ میں ہوگا
مگر اگلے ہی لمحے
خاک اڑتی ہوگی مٹھی میں مری

تو جا چکا ہوگا
 اکیلا چھوڑ کر مجھ کو!
 تری رخصت کو دو ہفتے ہوئے ہیں
 پر یقین اب تک نہیں آیا مجھے
 رخصت تری اک تلخ اور گہری حقیقت ہے!
 بھلا خود سے کوئی کیسے نکھڑتا ہے
 خود اپنی ذات سے کیسے جدا ہوتا ہے کوئی
 تو تو میری ذات تھا، میں تھا سراپا!



میں نے کبھی سوچا نہ تھا
 اے جانِ جاں
 تجھ کو سبھی اپنے عزیزوں، دوستوں، سب اپنے پیاروں سے
 عجب انداز کی الفت تھی
 تو سب سے سدا راضی ہی رہتا تھا
 عجب کچھ زندگی میں موڑ آتے ہیں
 کبھی شیریں ہو اچلتی ہے رشتوں میں
 کبھی تلخی کے تند اور تیز جھکڑ حد سے بھی تاریک کر دیتے ہیں
 انسانی تعلق کو

کبھی اک دوسرے کے دست و بازو لوگ بن جاتے ہیں یاں
لیکن کبھی اک دوسرے سے لوگ یاں پر بولنا بھی چھوڑ دیتے ہیں
تعلق اور رشتہ توڑ دیتے ہیں۔

مگر جب سے سنبھالا ہوش میں نے
تب سے تیرے واپس دم تک
یہ دیکھا چشم حیرت سے سدا میں نے
کہ تو سب سے سدا راضی ہی رہتا تھا
کسی سے بولنا تو نے نہیں چھوڑا کبھی بالکل
کبھی ترک تعلق کا نہیں سوچا کسی سے تو نے
چاہے کچھ بھی ہو جائے!

کوئی گر چار دن ویسے ہی میرے گھرنہ آتا تھا
تو تو مجھ سے سدا یہ پوچھتا تھا
خیریت تو ہے؟

فلاں انے دنوں سے کیوں نہیں آیا؟
میں یہ کہتا کہ ویسے خیریت ہے
بس انہیں فرصت نہ دی ہوگی زمانے نے،
تو تیرے بھولے اور پاکیزہ چہرے کا تقدس اور بڑھ جاتا
تسلی تیری ہو جاتی تھی

اطمینان چہرے پر برس اٹھتا تھا تیرے!



میں نے کبھی سوچا نہ تھا

اے جانِ جاں

اور میری شمع دیدہ و دل نے کبھی سوچا نہ تھا

اور میرے آنگن میں کھلے سارے شگوفوں نے کبھی سوچا نہ تھا

تو میرے گھر آنگن سے کتنا پیار کرتا تھا

یہاں پر برکتیں کتنی تھیں تیری

اور سدا تیری توجہ کا یہاں پر سایہ رہتا تھا

عجب انداز سے تو چاہتا رہتا تھا ہم سب کو

نہ جانے واقعہ در واقعہ کتنے حسیں انداز تھے سب تیری چاہت کے

نہ جانے داستاں در داستاں کیا کیا چھپا تھا پیار میں تیرے

نرالا واقعہ اس داستاں کا ایک

میں تا زندگی بالکل نہ بھولوں گا

کہ اک دن میری شمع دیدہ و دل

زیست کی پیچیدہ راہوں کو ذرا سا اور کچھ پیچیدہ کر کے

اپنے مسکے کو گئی

تو تو نے پہلی شام کتنے پیار سے پوچھا

”ابھی تک کیوں نہیں لوٹی؟“

کہا میں نے کہ آج آنا نہیں تھا

اگلے دن پھر شام کو پوچھا

کہ کب آنا تھا

میں نے یہ کہا ”کل آئے گی“

لیکن ابھی تو ڈور تھی شام اگلی

اور سہ پہر ہی آئی تھی

تُو نے اک عجب انداز سے

(انداز تیرا وہ مجھے کب بھول پائے گا

رہے گا نقش مرتے دم تلک وہ ذہن پر میرے)

عجب انداز سے تو نے کہا تھا

”بیٹے، جاؤ، تم ابھی لے کر اُسے آؤ“

کیا چہرہ جو میں نے تیری جانب بات سننے کو

تو تیری دونوں آنکھوں میں مجھے آنسو نظر آئے

اُسی پل میں نے بیٹے سے کہا

”گاڑی نکالو، ہم اسی لمحے چلیں گے!“

..... تو نے کیسے ایک ساعت میں ہماری زیست کی سنسان راہیں

یوں بسا ڈالیں!

عجب انداز تیرا یہ مجھے کب بھول پائے گا
سدا مجھ کو رلائے گا!



میں نے کبھی سوچا نہ تھا

اے جانِ جاں

یوں مجھ سے رخصت ہو کے تو چل دے گا

اور میں نظم لکھوں گا

تری کچھ پیاری یادوں کے حسیں، رنگین، خوشبودار پھولوں کو

میں اپنے ٹوٹے پھوٹے لفظوں کے باریک دھاگے میں پروؤں گا

کہ یہ پھول ان گنت ہیں

پر مرے لفظوں کی دولت ہے بہت محدود

بس اتنی دعا ہے رب سے میری

وہ تجھے اس طور سے رحمت کی چادر میں چھپالے

جیسے تو نے مجھ کو ہر گام، ہر ساعت، ہر اک پل

زندگی بھر

اپنی شفقت کی حسین اور پھیلی چادر میں سدا رکھا چھپا کے

تو چل دیا ہے.....

تو چل دیا ہے اے پدر
 اور نوحہ خواں ہے یہ پسر
 تازہ بہت ہے غم ترا
 دل میں بپا ماتم ترا
 میں نے کبھی سوچا نہ تھا
 یہ خواب بھی دیکھا نہ تھا
 تو یوں جدا ہو جائے گا
 مجھ سے خفا ہو جائے گا
 منہ موڑ کر چل دے گا یوں
 دل توڑ کر چل دے گا یوں
 سترہ دنوں میں اس طرح
 پھرتی سے جانے کس طرح

تو چل دیا یوں قبر میں
 عرصہ لگے گا صبر میں
 آنکھوں میں غم لہرائے گا
 اشکوں میں کب بہہ پائے گا
 آنکھیں بھٹکتی ہیں جدھر
 چشمِ تصور میں ادھر
 آتا ہے تو مجھ کو نظر
 ہر گام پر، ہر موڑ پر
 وقتِ سحر کرسی پہ تو
 اخبار تیرے روبرو
 وہ چائے کا کپ ہاتھ میں
 شفقت تری ہر بات میں
 کمرے میں شب کو بیٹھنا
 ٹی۔وی ترا وہ دیکھنا
 سہ پہر کو صحبت کبھی
 وہ سر سے پافت تری
 مشکل کا وقت آیا کبھی
 تو حوصلہ پایا تبھی

تو نے کہا یہ: ”غم نہ کر
 اللہ وارث ہے پسر“
 سن کر ترے الفاظ یہ
 غم جھٹ سے رخصت ہو گئے!
 دکھ درد لیکن بے اماں
 یہ زخم ہائے جسم و جاں
 یادوں پہ ہیں جو مشتمل
 ہوں گے بھلا کب مند مل؟

تو چل دیا ہے اے پدر
 اور نوجہ خواں ہے یہ پسر
 جس نے کبھی سوچا نہ تھا
 یہ خواب بھی دیکھا نہ تھا
 تو یوں جدا ہو جائے گا
 بن کر دھواں کھو جائے گا!

تخیل اور حقیقت

تخیل کی عجب ہے کار فرمائی زمانے میں
عجب اک رنگ بھر دیتا ہے یہ خالی فسانے میں

مرے پیارے پدر! تو مجھ سے رخصت ہو چکا ہے گو
مجھے لگتا ہے جیسے اب بھی تو میرے قریں ہی ہو!

ملے گا تو کہاں اب زیست میں، پرکھو جتا ہوں میں
تو رخصت ہو چکا کب کا، مگر یہ سوچتا ہوں میں

تو اک زندہ حقیقت تھا مگر اب خواب ہے گویا
اچانک کیسے تو اک روز قبرستاں میں جا سویا

عجب انداز کا اک تیرے میرے بیچ ناتا ہے!

تجھے جتنا بھلاتا ہوں، تو اتنا یاد آتا ہے!

ابھی لگتا ہے اس دروازے سے گھر میں تو آئے گا
 کئی سب رونقیں جیسے تو اپنے ساتھ لائے گا

کبھی پوچھے گا مجھ سے، لکھ رہے ہو آج کل تم کیا؟
 کبھی میری پریشانی میں مجھ کو حوصلہ دے گا!

کبھی کرسی پہ بیٹھے گا، کبھی اخبار دیکھے گا
 کبھی موسم کی شدت کا ذرا سا ذکر چھیڑے گا

کبھی مجھ کو محبت سے کہے گا: ”اے مرے بیٹے!
 بھئی آرام سے لیٹو، پریشاں سے ہو کیوں لیٹے؟“

خوشی میں میری خوش اور غم سے میرے غمزدہ ہوگا
 مری خاطر دعا کو ہاتھ پھیلانے سدا ہوگا

مگر یہ سب تخیل ہے مرا، اب ہجر سہنا ہے
 حقیقت ہے تو بس یہ، مجھ کو اب تجھ بن ہی رہنا ہے!

تیرا چہرہ، میرا چہرہ

چمن آباد ہے اب بھی
بہار آئی ہے.....
گلشن کا حسیس پھیلا ہوا دامن گلوں سے بھر گیا ہے
پھر فضا میں بھینی بھینی رچ گئی خوشبو
ہوا اٹھکیلیاں کرتی ہے
چڑیاں چہچہاتی ہیں
نیا اک رنگ گلشن میں نکھرتا ہے
ہر اک چہرہ نکھرتا ہے!
ہر اک چہرہ نکھرتا ہے

سوائے ایک چہرے کے
کبھی لگتا ہے مجھ کو یوں وہ چہرہ تیرا چہرہ ہے
کبھی لگتا ہے مجھ کو یوں وہ چہرہ میرا چہرہ ہے
مگر

شاید حقیقت میں

وہ چہرہ

بس ہمیں دونوں کا اک مشترکہ چہرہ ہے
تبھی تو میرا دل افسردہ ہے
اور روح تک پڑمردہ ہے
گرچہ چمن آباد ہے اب بھی
بہار آئی ہے.....

گلشن کا حسیں پھیلا ہوا من گلوں سے بھر گیا ہے!
اور ہر اک چہرہ نکھرتا ہے!

میری بہنا!

میری بہنا!

میری پیاری، اے میری ماں جانی بہنا
آج سے لگ بھگ ڈیڑھ مہینے پہلے
تیرے میرے ابا جان کی موت نے
میرے دل میں درد کا گھنا سا پیلا شجر اُگا ڈالا تھا
جس کے وحشت ناک سیہ سائے کے نیچے
میرے سکوں، سکھ چین کی ساری ہریالی کھلانے لگی تھی
ریت سی ہر سو اڑنے لگی تھی!

لیکن آج تری رخصت نے
اُس پیلے، پھیلے سے شجر کو
پانی سے سیراب کیا ہے کچھ اس طور
کہ اُس بے رنگ شجر کی شاخیں
میری رگ رگ میں اُتری ہیں!

مری بہنا! مری بہنا!

مری بہنا! مری بہنا!

ترے سب بھائی اور بہنیں

کھڑے ہیں سر جھکائے یاد میں تیری

تُو ہم سب میں بڑی تھی

اور بڑا بن کر دکھایا تھا ہماری زندگی میں تُو نے ہر اک موڑ پر

ہم سب کی تُو نے رہبری کی

اور دلداری بھی کی!

تجھ میں ہماری ماں نظر آتی تھی ہم کو

جو بہت پہلے، بہت زیادہ ہی پہلے

جا چکی تھی چھوڑ کر ہم کو

تر اچہرہ ہمیں تو ماں کے چہرے سا حسیں معلوم ہوتا تھا

محبت اور شفقت سے بھرا معلوم ہوتا تھا

ہمیں معلوم کب دیتا تھا، وہ تو تھا ہی ایسا!

مری بہنا! مری بہنا!
 مجھے معلوم ہے کتنے دنوں سے تو بہت تکلیف میں تھی
 تیرا ہر پل اذیت میں گذرتا تھا
 ہر اک لمحہ تجھے انجام سے نزدیک تر کرتا تھا
 ہم سے دور تھوڑا اور لے جاتا تھا تجھ کو
 پر ترے چہرے پہ جب پڑتی تھی اپنی بوکھلائی سی نظر
 تو تو عجب انداز سے تسکین دیتی تھی
 یہ لگتا تھا کہ رب رحمت کرے گا
 پھر سے تیرا حال ہو جائے گا بہتر
 گرچہ یہ کتنے مسیحاؤں نے کہہ رکھا تھا
 تو اب جانے والی ہے
 مگر دل کو یقین کب تھا
 تبھی تو دل، بچارا دل کہاں قابو میں ہے اپنا!

مری بہنا! مری بہنا!
 تو اتنا جانتی ہوگی
 کہ تو ہم سب کی چاہت تھی

ہماری بادشاہت تھی
 ترے جانے سے ہم سب لٹ گئے ہیں
 وہ ترے سینے میں پوشیدہ بمقدس پیار کی انمول دولت
 وہ ترے نازک، سبیل احساس اور جذبوں کی ساری بادشاہت
 چھن گئی ہم سے
 بھکاری بن گئے ہیں ہم
 سبھی کشکول خالی ہیں ہمارے!

مری بہنا! مری بہنا!
 نگوں ہے سر مرا شرمندگی سے سنا منے تیرے
 چھپائی تھی خبر ہم سب نے تجھ سے
 چند دن پہلے
 کہ مرگ بے اماں جب لے گئی تھی
 اپنے پہلو میں بٹھا کر
 تیرے میرے باپ کو.....
 میں نے یہ سوچا تھا
 کہ تو بیمار ہے اتنی
 نہ جانبر ہو سکے شاید عجب گھمبیر صدے سے

پر اب تُو جا چکی ہے خود بھی مرگِ بے اماں کے ساتھ اُٹھ کر
 اور میں اس سوچ میں گم ہوں
 کہ جب تُو جا کے یاں سے
 دوسری دنیا میں والد سے ملی ہوگی
 تو واں پر دیکھ کر اُن کو
 ہمارا جھوٹ سا راکھل گیا ہوگا!
 تبھی تو اے مری بہنا
 نگوں ہے سر مرا اثر مندگی سے سامنے تیرے!

مری بہنا! مری بہنا!

نگارِ زیست میری تیرے بن پھسکی پڑی ہے
 وہ نگارِ زیست میری تیرے بن پھسکی پڑی ہے
 جس کو تری الفتوں نے، چاہتوں نے
 کچھ خلوص اور مہر سے ایسے سنوارا تھا
 کہ مٹتے مٹتے پھر سے سانس لے کر اٹھ کے بیٹھی تھی
 سچی تھی پھر سے
 سنوری تھی مکرر
 تیری خواہش، تیری کوشش کے نتیجے میں

ترا احسان ہے مجھ پر یہ
 اور احسان بھی ایسا
 نہیں جس کا بدل کوئی
 مناسب شکرے کے لفظ بھی
 میرے بہت محذور لفظوں کے ذخیرے میں نہیں ملتے مجھے!

مری بہنا! مری بہنا!
 یہ جسمانی اذیت تو فقط دو چار دن کی تھی
 جسے جھیلا ہے تو نے
 زیست کے بالکل ہی آخر میں
 نہایت حوصلے سے!
 پر مرے پیش نظر ہے آج
 تیری وہ سبھی ذہنی اذیت
 جس کو تو نے زندگی بھراک نئے انداز سے ہر لحظہ جھیلا ہے
 نہایت کم سنی میں اور غربت میں تری شادی
 ستم ہائے زمانہ
 رنج ہائے دلبراں
 کیا کیا نہ ناوک تیرے سینے میں ہوئے پیوست

پر تو نے نہایت حوصلے سے
 خندہ پیشانی سے
 ہر ہر موڑ پر جینے کی بھاری جنگ جیتی ہے!
 میں انگلی اپنے منہ میں ڈال کر حیرت سے تکتا ہوں
 بلا کی تو بہادر تھی!

مری بہنا! مری بہنا!
 ہر اک انسان فانی ہے
 تو فانی تھی
 میں فانی ہوں
 مگر دستور ہے دنیا کا ایسا
 اور ہے بشری تقاضہ بھی
 کہ پیچھے رہنے والے
 جانے والوں کے لیے آنسو بہاتے ہیں.....
 یہاں اک دوسرے کو صبر کی تلقین کرتے ہیں.....
 سنا ہے میں نے یہ بھی
 وقت مرہم بن کے زخموں کو بہت آہستگی سے مندمل کرتا ہے
 کچھ عرصے میں بھر دیتا ہے

پر میں اک نرالا سر پھرا ہوں
یہ ترے جانے کا غم تیری امانت ہے
میں اس بار امانت کو
سدا دل میں رکھوں گا
تو سدا گلشن کے پھولوں کی طرح
تازہ رہے گی میرے سینے میں
جئے گی میرے جینے میں!

مری بہنا! مری بہنا!
وہ تیرا اور مرا مشترکہ ماضی
آج تیرے ساتھ ساکت اور جامد ہو گیا ہے
آج تیرے ساتھ میرے ذہن کا
اور میرے دل کا

ایک حصہ
اک بہت ہی خوبصورت اور بہت انمول حصہ
مر گیا ہے
میری باقی زیست سونی کر گیا ہے
میری آنکھوں میں عجب سی دھند مانو بھر گیا ہے!

میرے گھر آنگن کے وہ سارے درتچے
 جن سے اکثر جھانکتی رہتی تھی تو
 وہ سارے تیری قبر کی مٹی سے یکسر پٹ گئے ہیں!

مری بہنا! مری بہنا!
 ہراک دکھ میں، مصیبت میں
 مجھے تو نے دیا ہے حوصلہ
 لیکن میں اب دہری مصیبت میں پھنسا ہوں
 دُہرے دکھ میں گھر گیا ہوں
 باپ کے مرنے کے بعد اب تو بھی چل دی ہے
 مجھے اتنا بتاتی جا
 کہ مجھ کو حوصلہ اب کون بخشے گا؟
 مرے کا ندھے پہ ہاتھ اب کون رکھے گا؟
 میں رخصت ہو رہا ہوں تیرے گھر سے
 اور یوں مُڑ مُڑ کے تکتا ہوں
 کہ مجھ پر وقتِ رخصت آئیے الکرسی کو پڑھ کر کون پھونکے گا؟



کیسے دل میں عجب گنج گراں ہوتا ہے
 چھپ کے رو لیتے ہیں جب دردِ جواں ہوتا ہے!
 تیرے پیاروں نے سجائی ہے تری بزمِ فراق
 ہر گھڑی تیری اداؤں کا بیاں ہوتا ہے
 جوئے خونِ چشم کے اندر ہے، اور اندر ہی بھلی
 چشمہ گر پھوٹ بیٹھے، بند کہاں ہوتا ہے
 پھر گلِ درد کی فصلوں پہ بہار آتی ہے
 آنکھ کے شہر میں ساون کا سماں ہوتا ہے
 استقامت کی بڑی بات ہے، لیکن یارو
 ہاتھ جب دل پہ پڑے، صبر کہاں ہوتا ہے
 روز و شب کرب کے عالم میں گذرتے ہیں سلیم
 ہجر کا زہر عجب دشمنِ جاں ہوتا ہے

رَب کے نام

میں نے جب سے سنا ہے کہ تم اس جہاں میں نہیں ہو.....
میں رہ رہ کے یہ سوچتا ہوں
کہ میں اس جہاں میں نہیں ہوں

میں رہ رہ کے یہ سوچتا ہوں.....
کسی کا بھلا کیا بھروسہ کہ کب کس گھڑی مجھ سے کوئی مراراز دار
اپنا منہ موڑ لے!
اور میں پھر یونہی سوچوں
کہ میں آج پھر مر گیا ہوں!
..... کہ میں اس جہاں میں نہیں ہوں!

تم مرے کتنے سالوں سے واقف تھے..... واقف نہیں، دوست تھے!
 تم مری صبحِ الفت کے خوش رنگ طائر تھے،
 جیسے مرے اور سا تھی!

جو اس بات پر دل سے خوش تھے کہ میں نے کسی بت کو دل دے دیا
 جو مری ہر ادا کو ہمیشہ پسندیدگی کی نظر سے ہی دیکھا کئے
 جو مرے غم پہ غمگین ہوتے، مری ہر خوشی پر چہکتے تھے!
 تم بھی مرے ایک ایسے ہی پیارے تھے!

تم بھی مرے پیار کی ہر حسنین اور پھر بناک ادا کے امیں تھے!
 مری زندگی کی تمناؤں اور آرزوؤں کو

قوس و قزح کے تخیل بھرے شوخ رنگوں سے بھرنے میں

میرے مددگار!!

اور میرے گلشن میں ہر ہر گھڑی نو بہاروں کے ضامن!!!

مری زندگی سے تمہارے کرم کے حسیں نقش کو

موت کے سرد ہاتھوں نے دھندلا دیا

..... اور میں سوچتا ہوں

کہ جیسے رگوں سے مری کچھ لہو کم ہوا ہو!

مری آرزوؤں کی نیند آگئی ہو!
مری خواہشوں پر خموشی سی طاری ہو!

میں کیسے یوں جی سکوں گا.....

کہ آج ایک تارا مٹا،

کل کوئی اور تارا مٹے،

اور پھر..... کوئی اور!

اس طرح مجھ میں جینے کی ہمت نہیں!

اے مرے دوست دار، اے مرے رازداں،

میں نے جب سے سنا ہے کہ تم اس جہاں میں نہیں ہو

میں رہ رہ کے یہ سوچتا ہوں

..... کہ میں اس جہاں میں نہیں ہوں!



ہمارے چار جانب آج کل غم سانس لیتے ہیں
تری یادوں کی تپتی چھاؤں میں ہم سانس لیتے ہیں

حقیقت کے بھیاںک روپ نے کھولی ہیں اب آنکھیں
کبھی رہتے تھے خوش ہم، اب تو مدہم سانس لیتے ہیں

کبھی جانِ تمنا، اپنے سر پر تیرا سایہ تھا
دہکتے سورجوں میں اب تو برہم سانس لیتے ہیں

اُداسی کی دھنک کے سات کالے رنگ چمکے ہیں
نزالی وحشتوں میں ڈوب کر غم سانس لیتے ہیں

بجھے جاتے ہیں چہرے ایک چہرے کے نہ ہونے سے
تیبھی تو آج کل ہم لوگ کم کم سانس لیتے ہیں

کھلے ہیں زخم کی صورت تری یادوں کے گل ہر سو!
نہ جانے کس نگر میں آج مرہم سانس لیتے ہیں؟

عجب آہوں کا موسم چھا گیا ہے تیرے جانے سے
کراہیں سی نکلتی ہیں جو بے دم سانس لیتے ہیں

سلیم آہستہ آہستہ چلو دنیا کے جنگل میں
یہاں ہر گام پر دکھ، رنج اور غم سانس لیتے ہیں

تُو رخصت ہو گئی ہے.....

تو رخصت ہو گئی ہے اور ہماری آنکھ روتی ہے
بھلا اب کون پونچھے گا ہماری چشم پر نم کو
کھلا یہ راز اب ہم پر، اسے ہم سب نے جانا ہے
بہت پیارے تھے ہم تجھ کو، بہت پیاری تھی تو ہم کو

نظر آتی ہے ہر ہر موڑ پر تو میری آنکھوں کو
رچی ہے تیرے خستہ تن بدن کی یاں چمک اب بھی
نہیں موجود تو اس گھر میں اس پل، سچ ہے یہ لیکن
بسی ہے ذرے ذرے میں یہاں تیری مہک اب بھی!

ہیولا گھومتا ہے اب بھی تیرا میرے آنگن میں
ابھی تک گھر بھرا ہے میرا سارا تیری باتوں سے
تو کب کی جا چکی لیکن یقین آتا نہیں مجھ کو
مہکتا ہے مرا کمرہ ابھی تک تیری سانسوں سے

نرالا باب تیری ذات میں دیکھا سدا میں نے
تکلف کا، ترحم کا، مروّت کا، محبت کا
کبھی شانے پہ میرے تو نے دھیرے سے دھرا تھا جو
حسیں وہ لمس یاد آتا ہے تیرے دستِ شفقت کا

میں اب کتنا بھی روؤں، کس قدر ماتم کروں، لیکن
نہ اُبھرے گا کبھی چہرہ ترا ان میری آنکھوں میں
میسر ہوگا تیرا دستِ شفقت اب کہاں مجھ کو
نہ آئے گی کبھی آواز تیری میرے کانوں میں

کٹھن کاموں کو نبھایا تھا جیتے جی بہت تُو نے
بہت جاگی تھی دنیا میں، تھکن سے سو گئی ہے تُو
یقین اس دل کو آیا ہے نہ اب تک، اور نہ آئے گا
یہ سچ ہے، پر یہی سچ ہے، کہ رخصت ہو گئی ہے تُو

مگر اتنا تو بتلا دے کہ جب تو جا چکی یاں سے
 تری ہستی کی خوشبو چار سو پھیلی ہوئی کیوں ہے؟
 مری جو زیست اُجلی تھی، مری جو زیست سُتھری تھی
 ترے جانے سے آخر اس قدر میلی ہوئی کیوں ہے؟

میں تھا تیرا ہی اک حصہ، تجھے کیسے بھلا ڈالوں
 مرے ہر سمت تیری یاد سے مہکی ہوائیں ہیں
 خدا کی بارگہ میں ہاتھ ہیں پھیلے ہوئے میرے
 مری آنکھوں میں آنسو ہیں، مرے لب پر دعائیں ہیں!

مجھے کچھ حوصلہ دے دے.....

میں اک انسان ہوں
اور جانتا ہوں یہ کہ ہر انسان فانی ہے
مگر یہ بھی تو اک بشری تقاضا ہے
کہ میری آنکھ میں آنسو بھرے ہیں تیرے جانے پر
میں ان کو روکنا چاہوں بھی
تو کتنا کٹھن ہے یہ!
میں جتنا روکتا ہوں، اور آنسو اٹدے آتے ہیں!!
نظر بھر کر جدھر دیکھوں.....
ہیولا تیرا ہی
ہر سمت، ہر جانب نظر آئے
یہاں بیٹھی ہے تو بستر پہ

اور یوں کہہ رہی ہے مجھ سے تو
”مجھ کو دوا دے دے!“

ادھر بیٹھی ہے کرسی پر
کہ تیری بیٹی تیرے بالوں میں کنگھی ذرا کر دے،
کبھی ہنم کار میں بیٹھے
معالج کی طرف محو سفر ہیں
تا کہ وہ حالت تری دیکھے
تجھے کچھ مشورہ دے دے
دواؤں میں کوئی تبدیلی کرنی ہو،

تو وہ کہہ دے
کچن میں تو کبھی آ کر کھڑی ہوتی
کبھی اک مشورہ دیتی کوئی بھانے پکانے میں
کبھی آنگن میں آنکے چند لمحے بیٹھتی
کچھ بات کرتی
تجھ کو اب ہر ہر جگہ پر کھوجتی ہیں میری نظریں
جی یہ کرتا ہے

کہ تو یاں پر نظر آئے
کہ تو واں پر نظر آئے

کہ تو ہر جا نظر آئے

مگر دل جانتا ہے یہ

کہ جیتے جی نظر کب آئے گی تو ہم کو

یہ دل جانتا تو ہے

کہ انہونی کبھی ہونی نہیں ہوتی

مگر دل بس میں کب ہے

مانتا کب ہے!

تو ہر انسان کی مانند اس رب کی امانت تھی

کہ جس نے کتنے ماہ و سال ہم پر یہ عنایت کی

ہمارے درمیاں رہنے دیا تجھ کو.....

محبت کے لیے

شفقت کی خاطر

مہربانی کے لیے

الفت کی خاطر

اور ہماری پرورش کے واسطے

اور اس لیے بھی

تا کہ دل جمعی ہماری ہو تری جانب سے ہر آن، ہر ہر پل!

تو وہ چھتھنا رسا یہ دار، اور اونچا گھنا پھیلا ہوا اک پیر تھی ایسا

کہ جس کے ٹھنڈے میٹھے سکھ کے سائے میں
 دکھوں کی تپتی جلتی دھوپ سے ہر طور پر ہم بچتے رہتے تھے
 زمانے بھر میں چر چگ کر اسی کی سبز شاخوں پر بسیرا آ کے کرتے تھے
 اسی کی پھلی شاخوں میں بنے کچھ گھونسلوں میں
 نیند کو آنکھوں میں بھرتے تھے
 کچھ ایسے خواب آنکھوں کو نظر آتے تھے
 جن سے زینت کے رستے سنورتے تھے!

مر ارب جانتا ہے یہ
 کہ جب سے تجھ سے کمزوری کے باعث کام چھوٹے تھے
 اور اک بستر پہ آ لیٹی تھی تو
 تجھ کو تبھی سے فکر لاحق تھا
 کہ کیسے ہوں گے، اب سب کام،
 لیکن دیکھ لے.....
 کاش، ایک پل کو دیکھ لے.....
 اب بھی وہ سارے کام ہوتے ہیں
 بس اک تو ہی نہیں ہوتی
 بس اک تو ہی نہیں ہوتی!

ہر اک انسان فانی ہے
 تو فانی تھی
 میں فانی ہوں
 مگر پیچھے جو رہ جاتے ہیں
 آگے جانے والوں کے لیے آنسو بہاتے ہیں
 کہ یہ بشری تقاضا ہے.....
 مری آنکھوں سے بھی آنسو برستے ہیں
 اور آنکھوں سے زیادہ
 کتنا زیادہ
 دل مرا سینے میں روتا ہے
 مجھے بس اتنا بتلا دے
 کہ اپنے دل کو میں کس طور سمجھاؤں
 کہ ہر انسان فانی ہے!

مگر اب جا چکی ہے تو
 مرے پھیلے ہوئے ان خستہ اور واماندہ ہاتھوں سے
 نکل کر جا چکی ہے تو
 مرے پھیلے ہوئے ہاتھوں میں اتنا دم کہاں ہے

یہ مشیت سے تجھے لے لیں!
ترا جینا یہیں تک تھا
تری خاطر مرے دکھ درد کے سہنے کا یاں آغاز ہوتا ہے
جو میرے جیتے جی تک ہے!

مرے رب! اے مرے رب
تو مجھے کچھ حوصلہ دے دے،
..... مجھے کچھ حوصلہ دے دے!



ہر گھڑی تیری اداؤں کا بیاں پھیلا ہے
 اپنے ہر سمت مروّت کا جہاں پھیلا ہے
 میرے آنکھن میں چمکتی تھی تو مثلِ خورشید
 تیرے جانے سے یہاں شب کا سماں پھیلا ہے
 زیست جس جا پہ سجاتی رہی رنگوں بھرے پھول
 واں پہ آہوں کے شراروں کا دھواں پھیلا ہے
 ہر تکلف سے بری اب کے ہوا غم اپنا
 چار سوا ب کے یہاں سوز نہاں پھیلا ہے

مل کے بیٹھے ہیں سبھی آج تری یاد میں یوں
غم چھپائیں بھی تو چہروں پہ عیاں پھیلا ہے

ہم کو تسلیم، ترا حق نہ ادا کر پائے
آج ہر طور سے ممکن کا گماں پھیلا ہے

رہ گئی ذہن پہ جم کر ترے جانے کی شبیہ
میرے ہر سمت وہی دکھ کا جہاں پھیلا ہے

روح پر ایک عجب کرب سا طاری ہے سلیم
درد اٹھاتا تھا کہیں، اور کہاں پھیلا ہے!

دعا

مجھے تُو نے زمانے سے نراااا لسن دیا
 مجھے سرسبز دیوار سخن میں چن دیا
 میں کس کس طور تیرا شکر کر پاؤں، بتا
 مجھے علم و ہنر اور آگہی کا ہن دیا
 مرے مالک! عمل کی بھی مجھے توفیق دے
 ترا فرمان میں نے کان سے تو سن دیا
 مجھے چھوٹی سی نیکی بھی بڑی مشکل لگے
 یہ من کی رُوئی کو شیطان نے کیسا ڈھن دیا

تری رحمت کے، مولا، کیا نرالے بھید ہیں
 کہ اکثر پاپ کے بدلے میں تُو نے پن دیا
 گناہوں سے، مرے رب، پاک دھرتی پاک کر
 کہ ہم لوگوں نے اس کو کیسا کیسا گھن دیا
 میں چاہوں روزِ حشر اپنی بھی بخشش بے حساب
 عجب اک جال میری آرزو نے بن دیا! م
 تجھے دشوار کیا گر مجھ کو جنت ہو عطا
 ہو میرا کام، تُو نے، کہہ جو لفظ 'گن' دیا



دُعا

مجھے تو نے زمانے سے نرالا گُن دیا
مجھے سر سبز دیوارِ سخن میں چُن دیا
میں کس کس طور تیرا شکر کر پاؤں، بتا
مجھے علم و ہنر اور آگہی کا ہُن دیا
مرے مالک! عمل کی بھی مجھے توفیق دے
ترا فرمان میں نے کان سے تو سُن دیا
مجھے چھوٹی سی نیکی بھی بڑی مشکل لگے
یہ من کی رُوئی کو شیطان نے کیسا دُھن دیا
تری رحمت کے، 'مولا' کیا نرالے بھید ہیں
کہ اکثر پاپ کے بدلے میں تو نے پُن دیا
گناہوں سے، مرے رب، پاک دھرتی پاک کر
کہ ہم لوگوں نے اس کو کیسا کیسا گھن دیا
میں چاہوں روزِ محشر اپنی بھی بخشش بے حساب
عجب اک جال میری آرزو نے بن دیا!
تجھے دشوار کیا گر مجھ کو جنت ہو عطا
ہو میرا کام، تو نے کہہ جو لفظ 'گُن' دیا